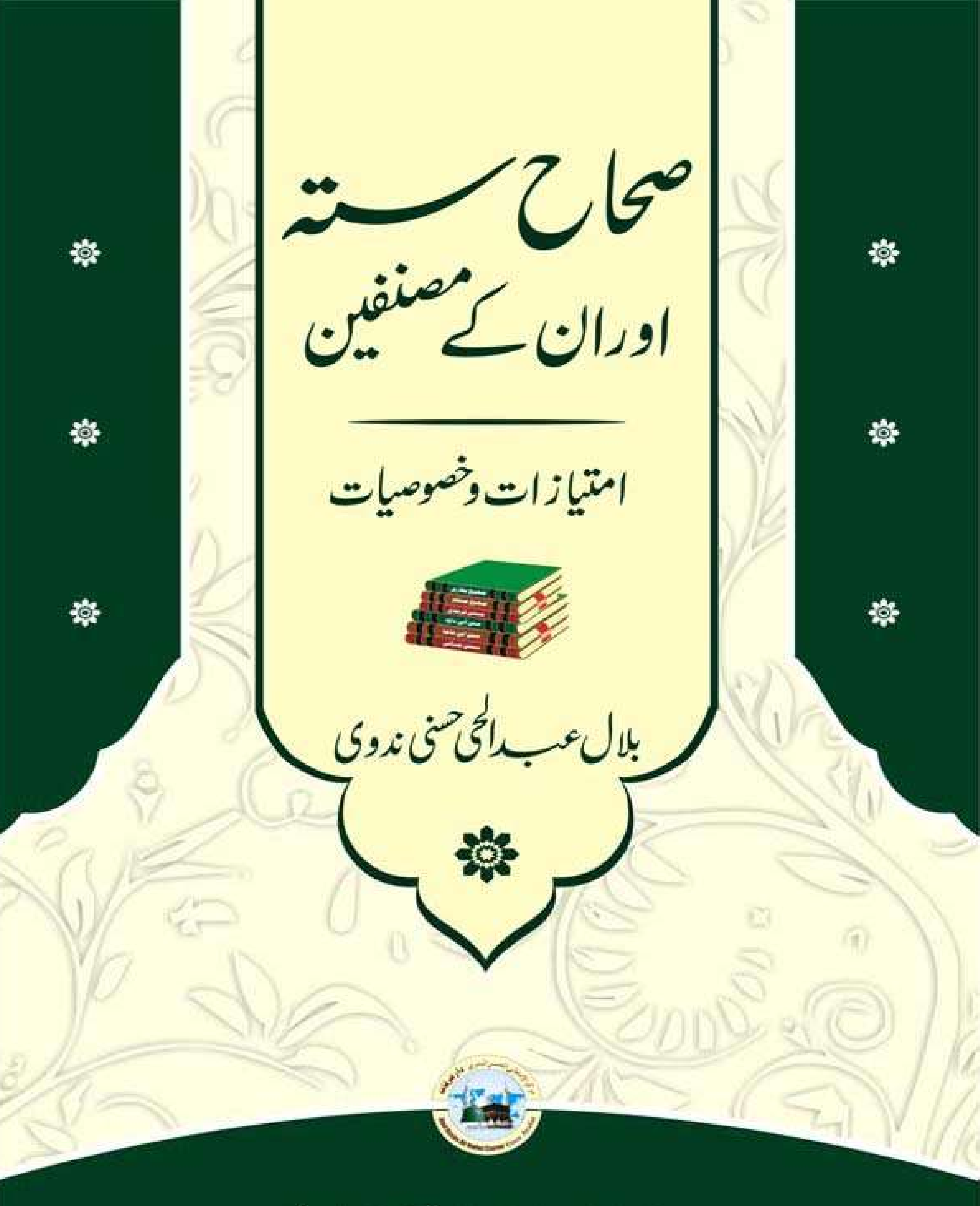
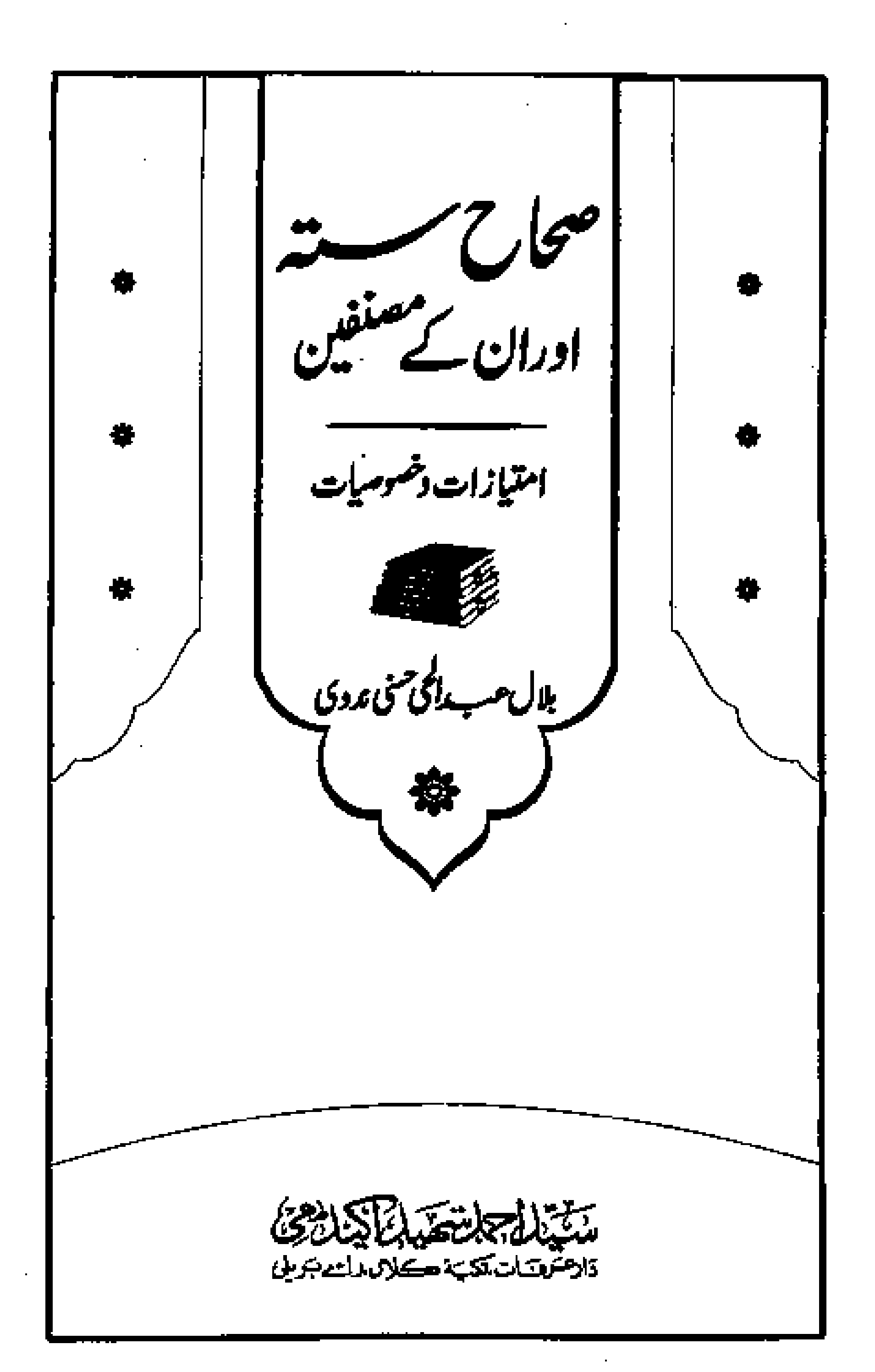


صحاح ستہ اور ان کے مصنفین

امتیازات وخصوصیات

بلال عبدالحی حسنی ندوی

سید احمد شہید اکیڈمی
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی


صحاح ستہ
اور ان کے مصنفین
امتیازات وخصوصیات
بلال عبدالحی حسنی ندوی
سید احمد شہید اکیڈمی
دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی

طبع اول

ذی القعدہ ۱۴۳۶ھ مطابق اگست ۲۰۱۵ء

نام کتاب	:	صحاح ستہ اور ان کے مصنفین — امتیازات اور خصوصیات
مصنف	:	بلال عبدالحی حسنی ندوی
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
صفحات	:	۱۴۴
کمپوزنگ	:	عرفات کمپیوٹر سینٹر (محمد ارمغان بدایونی)

Rs. 80/-

باہتمام: محمد نفیس خاں ندوی

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی ☆ مکتبہ اسلام، گوئن روڈ لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب العلمیۃ، ندوہ روڈ لکھنؤ

ناشر:

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرس

باب اول

تدوین حدیث ایک جائزہ

عہد رسالت سے صحاح ستہ کی تدوین تک

باب دوم

صحاح ستہ اور ان کے مصنفین

امام بخاریؒ

صحیح بخاری

امام مسلمؒ

صحیح مسلم

امام ترمذیؒ

سنن الترمذی

امام ابوداؤدؒ

سنن ابی داؤد

امام نسائیؒ

المجتبیٰ

امام ابن ماجہؒ

سنن ابن ماجہ

باب سوم

مابہ الامتیاز خصوصیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
(معتمد تعلیم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد بن عبد الله الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد۔

دینی مدارس میں خاص طور سے جہاں دورۂ حدیث تک تعلیم ہوتی ہے، صحاح ستہ سے مرور کا التزام ہے، دورہ کے لفظ سے ظاہر ہے کہ اس کا مقصد ان ساری بنیادی کتابوں سے واقف کرانا ہے، ان میں سے بعض کتابوں میں فن حدیث پر تفصیل سے بحث کی جاتی ہے، باقی کتابوں کے منتخب ابواب پر توجہ دی جاتی ہے، بقیہ میں کوئی اہم مسئلہ ہو تو اس پر بحث کی جاتی ہے، اس میں فقہی مسلک کی تائید اور دوسرے مسلک کی تردید، فرقے جو مختلف زمانوں میں علمی، فکری اور سیاسی عوامل کی وجہ سے پیدا ہوئے، ان کی تردید یا توضیح اور حدیث کی وضاحت کی جاتی ہے، رواۃ حدیث پر بحث حدیث کی تمام کتابوں کا بنیادی حصہ ہے، اس پر کافی وقت صرف ہوتا ہے۔

حدیث کی تعلیم میں ان سارے عناصر کا حق ادا کرنے کے لیے ایک سال ناکافی ہے۔

مصنف کتاب، اس کا عصر، تدوین حدیث کی اہمیت، انتخاب حدیث،

ترتیب، اور منہج اختیار وانتخاب پر بحث کرنے اور طالب علم کو ان سب سے واقف کرانے کا اس میں وقت کم ملتا ہے، مدارس کی کثرت اور دورہ کا عموم ہوگیا ہے، ہر مدرسہ کے لیے ایسے باصلاحیت اساتذہ مہیا کرنا ممکن نہیں، اس کے ساتھ ساتھ اساتذہ حدیث کی دوسری علمی، تعلیمی اور دعوتی مصروفیات بھی ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے وقت نہیں ملتا کہ وہ حدیث کے ساتھ تاریخ، جغرافیہ، افکار ونظریات اور مذاہب ومسالک سے واقفیت حاصل کرسکیں، خاص طور پر عربی زبان وادب اور کلام رسول کے جمال ادبی اور لغوی وادبی خصوصیات سے واقف ہوسکیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

"أنا أفصح العرب بيد أني من قريش وربيت في بني سعد"۔

صحاح ستہ کی تعلیم میں ایک اہم پہلو مختلف مصنفین حدیث کا منہج انتخاب و اختیار، زمانہ اور سبب تالیف ہے۔

فارغین مدارس ان تمام پہلوؤں سے واقف نہیں ہوتے، حتی کہ تدوین حدیث جو اہم ترین موضوع ہے اور اس پر مستشرقین نے بڑے شبہات پیدا کیے ہیں، اس سے بھی واقف نہیں ہوتے، قرآن کریم کے بعد حدیث کی اہمیت وضرورت جو اس عصر کا اہم مسئلہ بن گیا ہے۔

ان موضوعات پر علماء نے تفصیلی کتابیں لکھی ہیں، تدوین حدیث اور محدثین کی خدمات کے تعارف پر متعدد اہل قلم کی عربی اور اردو میں کتابیں ہیں، اس طرح تدوین حدیث پر تفصیلی تصانیف بھی مہیا ہیں، لیکن طلبہ کے لیے ان سے واقفیت اور استفادہ مشکل ہوتا ہے۔

مولوی بلال عبدالحی حسنی ندوی نے جو مدرسہ ضیاء العلوم (میدان پور، رائے بریلی) میں عرصے سے درس حدیث شریف کی ذمہ داری انجام دے رہے ہیں اور تاریخ اسلام اور علمی اور فکری تاریخ سے بھی گہری واقفیت رکھتے ہیں، ضرورت محسوس کی کہ ایک مختصر کتاب تیار کی جائے جو ان سارے پہلوؤں پر مشتمل ہو، انہوں نے تدوین

حدیث کے بنیادی موضوع ہونے کے ساتھ صحاح ستہ کے مصنفین کا تعارف، ان کی کتابوں کا منہج اور امتیاز اور دوسری کتابوں سے ان کا تقابل کرانے کے لیے یہ رسالہ تیار کیا، جو طلبہ حدیث کے لیے گائڈ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فارغین مدارس سے گفتگو کرتے وقت اس کمزوری کا اس حقیر کو کئی بار اندازہ ہوا کہ بعض طلبہ موطا، بخاری اور مسلم جیسی بنیادی کتابوں کے فروق سے واقفیت نہیں رکھتے، انکار حدیث کے اس دور میں اس کی شدید ضرورت ہے کہ حدیث کی اہمیت اور اس کے شریعت اسلامیہ کے مصدر ثانی ہونے پر توجہ کی جائے، امید ہے کہ یہ رسالہ حدیث شریف کی ایک اہم خدمت ثابت ہوگا۔

محمد واضح رشید حسنی ندوی
۱۰ رشوال المکرم ۱۴۳۶ھ
ندوۃ العلماء، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

کئی سال پہلے کی بات ہے ایک روز محترم مولانا سید محمد واضح رشید ندوی مدظلہ نے فرمایا کہ اردو میں کوئی ایسی مختصر کتاب ہونی چاہیے جس میں صحاح ستہ کا تعارف اور خاص طور پر اس کی مابہ الامتیاز خصوصیات کا تذکرہ ہو، مولانا کی بات دل کو لگی اور اسی روز شام میں راقم قلم لے کر بیٹھ گیا اور شاید مولانا کے حکم کی برکت تھی کہ ایک ہی نشست میں ابتدائی مضمون کا بڑا حصہ قلمبند ہو گیا، لیکن اس کے بعد کچھ مشغولیت اور کچھ اپنی کوتاہی کہ وہ کام وہیں کا وہیں رہ گیا، عرصہ کے بعد دار عرفات سے سہ ماہی ''تعمیر افکار'' نکلنا شروع ہوا اس میں قسط وار ''صحاح ستہ اور ان کے مصنفین'' پر لکھنے کا موقع ملا، اس طرح بڑی حد تک یہ رسالہ تیار ہو گیا، البتہ اصل موضوع جو ان کی خصوصیات وامتیازات سے متعلق تھا وہ تشنہ تھا، ''تعمیر افکار'' کے بند ہونے کے عرصہ کے بعد اس کی تکمیل کی نوبت آئی، اب الحمد للہ یہ رسالہ ناظرین کے سامنے ہے۔

اس موضوع پر عربی میں خاص طور پر اور اردو میں بھی خاصا کام ہوا ہے اور بڑی محققانہ اور فاضلانہ کتابیں سامنے آچکی ہیں، یہ ایک ''عجالہ نافعہ'' ہے، اردو داں حضرات کے لیے اور علوم حدیث کے متوسط درجہ کے طلبہ کے لیے۔

صحاح ستہ کے مصنفین ایک طرف بلند پایہ اصحاب فن، علوم حدیث کے لیے سرمایہ افتخار، علماء وائمہ میں سے ہیں، تو دوسری طرف ایمان ویقین، عزم وتوکل،

طہارت وتقویٰ اور زہد وورع کے بھی اس بلند معیار پر ہیں کہ وہ اپنے وقت کے کبار مشائخ اور اہل اللہ میں شامل ہیں، ان کے حالات زندگی اپنے اندر بڑا اثر رکھتے ہیں اور ان کو مطالعہ میں رکھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، اس حیثیت سے بھی یہ رسالہ امید ہے کہ مفید ثابت ہوگا۔

عم مخدوم ومعظم مدظلہ نے راقم کی درخواست پر مقدمہ تحریر فرمایا جس سے کتاب کی وقعت میں اضافہ ہوا، اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔

راقم خاص طور پر عزیزی مولوی محمد ارمغان ندوی سلمہ کا مشکور اور ان کے لیے دعا گو ہے کہ انہوں نے اس کو اشاعت کے قابل بنانے کے لیے بڑی فکر کی، پروف دیکھے اور اگر کہیں مراجعت کی ضرورت پیش آئی تو اس کے لیے بھی انہوں نے محنت کی، اسی طرح عزیز مکرم مولوی طلحہ نعمت ندوی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بھی اس سلسلہ میں تعاون کیا، عزیز گرامی مولوی محمد نفیس ندوی سلمہ نے طباعت کی ذمہ داری سنبھالی، اللہ تعالیٰ ان سب عزیزوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور کتاب کو قبول فرمائے اور مفید بنائے۔

بلال عبدالحی حسنی ندوی
۲۸ رشعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول

تدوین حدیث ایک جائزہ
عہد رسالت سے صحاح ستہ کی تدوین تک

سابقہ ادیان و مذاہب میں تحریف

تمام مذاہب وادیان مٹ چکے، نہ ان کی کتابیں اصل شکل میں باقی ہیں، اور نہ ہی ان کے احکامات اور تعلیمات اس شکل میں موجود ہیں جو ان کے اولین حاملین کو ملی تھیں، جو مذاہب آسمانی کہلاتے ہیں ان کے پاس آسمانی تعلیمات کا عشر عشیر بھی باقی نہیں رہا، ان کی وہ آسمانی کتابیں جن کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے اس حالت میں پہنچ چکی ہیں کہ ان کو آسمانی کتابیں قرار دینا مشکل معلوم ہوتا ہے، اس کے کسی ایک جزء کو بھی قطعیت کے ساتھ آسمانی نہیں قرار دیا جاسکتا، انسانی ہاتھوں نے ایسے دردی کے ساتھ ان پر عمل جراحی کیا کہ ان کی اصل شکلیں ہی مسخ ہو کر رہ گئیں، اور بجائے کلام الٰہی کے انسانی کلام کا حصہ بن گئیں، ہر ہر دور میں ذاتی مصلحتوں اور قومی ضرورتوں کے پیش نظر ان میں تبدیلی کی جاتی رہی۔

عیسائیت جس کو اس وقت دنیا کا سب سے بڑا مذہب بتایا جاتا ہے اور اس کے

ماننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ شمار کی جاتی ہے، سینٹ پال کا تصنیف کردہ مذہب ہے جو ایک یہودی سازشی ذہن رکھنے والا انسان تھا، اور صرف اسی لیے اس نے عیسائیت کا لبادہ اوڑھا تھا کہ وہ عیسائیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے، اس میں اس نے کامیابی حاصل کی، اور جس طرح یہودیوں نے اپنے نبیوں کو شہید کیا، ان کے سروں پر آرے چلائے اور اپنے دین کو اپنی خواہشات کے تابع بنایا، اسی طرح انہوں نے عیسائیت کو بھی نہیں بخشا اور ایک پوری سازش رچا کر انہوں نے اس کی اس طرح تحریف کر دی کہ آج کوئی عیسائی بھی اپنی حقیقت سے واقف نہیں ہے، ان کی دینی بے حمیتی کی انتہا یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ جن کو وہ بزعم خود خدا کا بیٹا کہتے ہیں، ان کے قاتلوں کو انہوں نے معاف کر دیا، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کو سولی دی گئی اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ سولی دینے والے یہودی تھے، مگر ان کے مقدس ترین شہر ویٹکن سٹی نے یہودیوں کے اس جرم کو بھی معاف کر دیا۔

آخری دین اور یہودی مکر و فریب

یہودیوں کا خیال یہ تھا کہ آخری نبی کی بعثت ان ہی میں ہوگی وہ اکثر و بیشتر یثرب کے باشندوں سے کہا کرتے تھے کہ جب وہ نبی آجائے گا پھر ہم تم سے نمٹ لیں گے، اور اس کی صفات جو انہوں نے تورات میں دیکھی تھیں اوس و خزرج کے سامنے بیان کرتے تھے، اسی لیے جب یہ قبائل حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو دعوت پیش کی تو وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا تذکرہ یہودی ہم سے کرتے رہتے ہیں، انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اس خیر کو حاصل کرنے میں ان کے لیے تاخیر مناسب نہیں ہے، اسی وقت انہوں نے اس دعوت پر لبیک کہی اور مسلمان ہوگئے، پھر دوسرے تیسرے سال یہ تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ آپ ﷺ نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ تعلیم دینے کے لیے بھیجا، کچھ

ہی عرصہ میں دونوں قبائل مسلمان ہو گئے، پھر ان حضرات کی دعوت پر صحابہ نے ہجرت شروع کی، جب اللہ کے حکم سے آپ ﷺ نے ہجرت کی تو ان یہودیوں کو اندازہ ہو گیا کہ آپ ہی وہ نبی موعود ہیں جن کا تورات میں تذکرہ ہے، پھر مزید علامتیں دیکھ کر ان کو یقین ہو گیا کہ آپ ہی آخری نبی ہیں، لیکن خود کو خدا کا بیٹا اور محبوب بتانے والے اپنی بڑائی کے نشے میں چور، نخوت کے مزاج میں ڈھلے ہوئے کیسے کسی کی تابعداری قبول کرتے، قرآن مجید یہاں تک گواہی دیتا ہے ﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ﴾ (البقرة:۱٤٦) وہ آپ ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو جانتے ہیں، ان کے سینے پر سانپ لوٹ گئے، اور بجائے اس کے کہ وہ اس خیر کو قبول کرتے انہوں نے اسی دن طے کر لیا کہ کسی طرح اس دین کو مٹانا ہے، یہ کیسا غضب ہوا کہ نبی ان میں مبعوث نہیں ہوا، گویا اللہ کو انہوں نے اپنا تابعدار سمجھا اور یہ سوچ لیا کہ یہ غلط فیصلہ کیسے لیا گیا، پہلے بھی وہ اپنے نبیوں کے ساتھ کیا کیا سلوک کر چکے تھے انہوں نے اسی لیے یہ کوشش کی کہ آنحضرت ﷺ کو بھی کسی طرح شہید کر دیں۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ قینقاع کے محلّہ میں ایک ضرورت سے تشریف لے گئے، انہوں نے خفیہ سازش کی، اور آپ ﷺ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا دیا، ابن جحاش نامی ایک یہودی چھت پر ایک بھاری پتھر لے کر گیا کہ آپ کا کام تمام کر دے، لیکن آپ کو وحی سے اس کا علم ہو گیا اور آپ بحفاظت وہاں سے تشریف لے آئے۔(۱)

اسی طرح ایک مرتبہ سلام بن مشکم یہودی کی بیوی بھنا گوشت لے کر خدمت میں آئی، اس میں اس نے زہر ملا رکھا تھا، آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ تناول فرمانا چاہا لیکن اللہ کے حکم سے آپ کو اس کا علم ہو گیا اور آپ نے ہاتھ روک لیا، ایک صحابی نے کچھ تناول فرما لیا تھا تو وہ جانبر نہ ہو سکے۔(۲)

یہ سازشیں کامیاب نہ ہو سکیں تو انہوں نے انصار و مہاجرین میں انتشار پیدا

(۱) سیرۃ ابن ہشام:۲/۱۹۰　　(۲) ابوداؤد:۴۵۱۰

کرنے کی کئی مرتبہ کوششیں کیں، اس کے علاوہ مسلمان عورتوں کو بے عزت کیا اور بھی جو تدبیر ہو سکی انہوں نے کی، اخیر میں انہوں نے سمجھ لیا کہ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں وہ کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے جس میں ان کو پوری کامیابی مل سکے، وہ انتظار میں رہے آپ ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے پھر سر اٹھانا چاہا لیکن ثبات صدیقی اور جلال فاروقی کے سامنے بھی وہ نہ ٹھہر سکے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مملکت اسلامیہ کے حدود بہت وسیع ہو چکے تھے، اور ہر طرح کے لوگ دین میں داخل ہو رہے تھے، اس وقت انہوں نے وہ حربہ استعمال کیا جو وہ عیسائیت کو ختم کرنے کے لیے پہلے کر چکے تھے اور اس میں ان کو زبردست کامیابی ملی تھی، انہوں نے عبداللہ بن سبا نامی یہودی کو کھڑا کیا اس نے اور اس کے بعض ساتھیوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا، پھر مختلف ملکوں کا دورہ کر کے اندازہ کیا کہ کہاں سے کام شروع کیا جا سکتا ہے، انہوں نے گمراہی اور انحراف کی ان مختلف شکلوں کا جائزہ لیا جن کو عام کیا جا سکتا ہو، اور لوگ اس کو آسانی سے قبول کر لیں، وہ اور اس کے کارندے مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور انہوں نے اندرون خانہ رہ کر بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کی پلاننگ کی، ایک طرف انہوں نے غلط عقائد کو پھیلانے کی کوشش کی، اور دوسری طرف خلافت میں شگاف ڈالنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ لوگوں میں حضرت علی کو وصی بنا کر خلافت کا مستحق قرار دیا، اور حضرت عثمان پر طرح طرح کے الزامات لگائے، اس میں ان کو کسی حد تک کامیابی ضرور ملی کہ مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو گیا اور خلافت کی مستحکم عمارت میں ایسا شگاف پڑ گیا جو بھرا نہ جا سکا، لیکن دین کو مسخ کرنے کی جو پلاننگ انہوں نے کی تھی اس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے، امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

"یہودی عبداللہ بن سبا کی کوشش یہ تھی کہ اسلام کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے اور اس کی اس طرح تحریف کر دی جائے جیسی تحریف سینٹ پال (Saint Paul) یہودی نے عیسائیت کی کی تھی۔

عیسائیت کے لیے بقاء کا فیصلہ نہ تھا، وہ ختم ہو گئی، لیکن اسلام کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے منتخب کیا تھا اور "رضیت لکم الاسلام دینا" کی مہر اس پر لگا دی گئی تھی اس لیے یہ سازش کامیاب نہ ہو سکی، گمراہیوں کے بعض گروہ ضرور وجود میں آ گئے لیکن امت حق پر قائم رہی" (۱)

دین کے دو بنیادی ستون

قرآن و حدیث دین و شریعت کے دو ایسے ستون ہیں جن پر یہ پوری عمارت قائم ہے، قرآن کریم کا ایک ایک لفظ آنحضرت ﷺ نے املا کرایا، اور بیسیوں صحابہ نے اس کے نوشتے محفوظ کر لیے، اس کے علاوہ سینکڑوں وہ صحابہ بھی تھے جن کے سینے میں ایک ایک لفظ محفوظ تھا، اس لیے اعداء دین اس سے مایوس ہو گئے، کہ اس کے اندر لفظی تحریف کریں، تو انہوں نے اس میں معنوی طور پر تحریف کی کوشش کی، اور مختلف آیات میں اپنی ذہنی اختراع سے ایسے معانی پیدا کیے جن سے اسلام کے مسلمہ اصول و عقائد پر ضرب پڑے، اور انحراف کا دروازہ کھل سکے، اس کے لیے ان دشمنوں نے جو اسلام ہی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے پوری کوشش کی اور اس کے نتیجہ ہی میں مختلف فرق ضالہ وجود میں آئے، قرآن مجید کی معنوی تحریف کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ حدیث رسول ﷺ تھی، جو معانی قرآن کی توضیح و تفسیر کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے، اور اس میں دین کا وہ بہت بڑا حصہ ہے جس کی تفصیل قرآن مجید میں نہیں بیان کی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ باطل فرقوں نے ہر زمانہ میں حدیث کو اپنا نشانہ بنایا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس کی پیش گوئی بھی فرمائی ہے، ایک طرف ارشاد گرامی ہے "الا انی اوتیت الکتاب ومثلہ معہ، الا انی اوتیت الکتاب ومثلہ معہ" (اچھی طرح سن لو کہ مجھے کتاب دی گئی ہے اور اسی کے مثل اور بھی چیزیں ہیں، مجھے قرآن

(۱) المفصل فی الرد علی شبهات أعداء الاسلام، ص: ۳۸

مجید ملا ہے اور اس کے مثل مزید دیا گیا ہے)(۱)

ساتھ ہی ساتھ یہ پیش گوئی بھی ہے "الا انی أوتیت الکتاب و مثله معه، ألا یوشك رجل شبعان علی أریکته یقول علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فأحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرموه ألا لا یحل لکم لحم الحمار الأهلی ولا کل ذی ناب من السبع، ولا لقطة معاهد الا أن یستغنی عنها صاحبها ومن نزل بقوم فعلیهم أن یقروه فان لم یقروه فله أن یعقبهم بمثل قراه" (۲)(سن لو مجھ کو کتاب اور اس کے مثل عطا کیا گیا ہے، خبردار رہو عنقریب ایسا شخص بھی ہوگا جو متکبرانہ انداز میں آسودہ حال ہو کر ٹیک لگائے ہوئے یہ کہے گا بس تمہیں قرآن کافی ہے، اس میں جو حلال ہے اس کو حلال سمجھو، اور اس میں جن چیزوں کو حرام کیا گیا ہے اس کو حرام قرار دو، اچھی طرح سن لو کہ تمہارے لیے پالتو گدھا جائز نہیں اور نہ پھاڑ نے والے درندے جائز ہیں، اور نہ ہی کسی معاہد کا گرا ہوا سامان اٹھانا جائز ہے الا یہ کہ وہ اس سے بے نیاز ہو، اور جو کسی قوم کے پاس ٹھہرے تو اس کے ذمہ اس کی مہمان نوازی ہے لیکن اگر کوئی ایسا نہ کرے تو اس کو چاہیے کہ ان کو اسی کے بقدر سزا دے)

یہ بھی آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے کہ آپ ﷺ کی پوری زندگی آپ کے ارشادات، تعلیمات، نشست و برخاست، غزوات و سرایا، آپ کی عائلی زندگی، آپ کے مکاتیب (۳) غرض ایک ایک چیز صحابہ کرام نے اس طرح محفوظ کی جس کی نظیر

(۱) مسند احمد: ۱۳۱/۴		(۲) سنن أبي داؤد: ٤٦٠٦

(۳) اس کی عام فہم مثال آپ ﷺ کے وہ مکاتیب ہیں جو آپ ﷺ نے بادشاہوں کو لکھے، حدیث کی کتابوں میں یہ مکاتیب موجود ہیں، جو حضرات صحابہ نے اپنی یادداشت سے تابعین کو سنائے اور پھر وہ سلسلہ روایت چلتا رہا، یہاں تک کہ ان کو حدیث کی کتابوں میں مدون کر لیا گیا، عرصے کے بعد جب وہ مکاتیب دریافت ہوئے اور حدیث کی کتابوں سے ان کو ملا کر دیکھا گیا تو ذرا بھی فرق نہ تھا، ان مکاتیب کے عکوس جگہ جگہ موجود ہیں، جو بھی اصل حدیث کی کتابوں سے مراجعت کرنا چاہے دیکھ لے اس کو ایک لفظ کا بھی فرق مشکل سے ملے گا، اس سے ان حضرات کی قوت حفظ اور امانت اداء کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کہیں نہیں مل سکتی، گذشتہ انبیاء کی تاریخ اور واقعات بھی ہمیں قرآن مجید سے معلوم ہوتے ہیں، ورنہ ان انبیاء کے ماننے والوں نے ان سے سوائے چند روایات کے کچھ بھی محفوظ نہیں رکھا(۱) اور جو روایات ہیں ان کا بھی کوئی اعتبار نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس دین کے لیے بقاء کا فیصلہ فرمایا تھا، تو اپنے آخری نبی ﷺ کو ایسی جماعت عطا فرمائی جو دو چیزوں میں پہلے بھی ممتاز تھی، ایک قوت حفظ دوسرے امانت، جو قوم اپنے گذشتہ واقعات اور اپنے باپ دادا کے قصوں کو یاد رکھتی ہو وہ اپنے نبی کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک حرف کو کیسے نہ یاد رکھتی، اس نے صرف الفاظ ہی یاد نہیں رکھے بلکہ اس کا سیاق وسباق اور اس وقت کی کیفیت وحالت تک کو اس طرح محفوظ رکھا کہ پوری تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اس کو بعثت مقرونہ سے تعبیر فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> "انبیاء میں سب سے بلند مقام اس کا ہے جس کو بعثت کی ایک اور قسم حاصل ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ لوگوں کی ہدایت کا سبب بن جائے، اور اس کے ذریعہ سے لوگ تاریکیوں سے روشنی کی طرف آجائیں، اور اس نبی کی قوم تمام امتوں میں سب سے بہتر امت ہو جس کو لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہو، تو اس عظیم المرتبت نبی کی بعثت ایک اور بعثت کو شامل ہے، پہلی بعثت کا تذکرہ اس آیت میں ہے ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الجمعة: ۲) اور دوسری بعثت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰) (تم

(۱) کناڈا یونیورسٹی کا Mathematics کا پروفیسر Garry Millar لکھتا ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ کی باتیں جمع کی جائیں تو اخبار کے ڈیڑھ کالم سے آگے نہیں بڑھ سکتیں۔

بہترین امت ہو جس کو لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے) اور اسی دوسری بعثت کی طرف آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے "فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین" (تمہیں سہولت پیدا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے تنگی پیدا کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا)(۱)

دین کے حاملین اولین اور حفاظت دین

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت و اشاعت کے دور اول کے لیے منتخب کیا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ اسلام سے ان کے اندر ایک کرنٹ دوڑ گیا، ایک ایک بات سننے کے لیے اور اس کو محفوظ رکھنے کے لیے وہ بے چین رہتے تھے، اسی لیے بعض صحابہ نے شروع ہی میں احادیث لکھنے کا بھی اہتمام کیا، لیکن ابتداء میں آپ ﷺ نے منع فرمایا، اور اعلان فرما دیا کہ "من کتب عنی شیئا سوی القرآن فلیمحہ" (۲) (جس نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہو تو اس کو مٹا دے) اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں بہت سے جدید الاسلام وہ حضرات تھے جن کے بارے میں ابھی آپ ﷺ کو پورا اطمینان نہ تھا کہ کہیں وہ حدیث کو قرآن کا حصہ نہ سمجھ لیں، لیکن جب وہ پوری طرح مزاج شناس ہو گئے تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی، متعدد صحابہ نے لکھنے کا اہتمام فرمایا، خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مستقل لکھنا شروع کیا اور اپنے اس نوشتہ کا نام صحیفہ صادقہ رکھا (۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو در اقدس پر لا کر ڈال دیا، دن و رات کا مشغلہ یہی تھا کہ ارشادات سنتے رہیں، شروع میں بعض باتیں ذہن سے نکل جاتی تھیں

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ، جلد اول، ص: ۲۲۸-۲۲۹ (۲) مسند احمد بن حنبل: ۱۱۳۸۳

(۳) یہ صحیفہ حضرت عبداللہ کو بہت عزیز تھا، ان کی وفات کے بعد یہ ان کے پوتے شعیب بن محمد بن عبداللہ کو ملا، شعیب سے اس صحیفہ کو ان کے صاحبزادہ عمرو روایت کرتے ہیں، حدیث کی کتابوں میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے جتنی بھی روایات ہیں وہ سب اسی صحیفہ کی ہیں

حضور کی خدمت میں عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ، پھر تین مرتبہ لپ بھر بھر کر آپ ﷺ نے اس میں کچھ ڈالا، پھر فرمایا کہ چادر سمیٹ لو، وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے کوئی چیز میرے دماغ سے محو نہیں ہوئی، یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ روایات نقل کرنے والے صحابی یہی ہیں، جب ان سے سوال ہوا کہ دوسرے صحابہ جنہوں نے طویل عرصہ حضور کی خدمت میں گذارا ہے وہ اتنی کثرت سے روایات نقل نہیں کرتے، تو انہوں نے فرمایا کہ ان حضرات کو تجارت میں یا کھیتی باڑی میں وقت دینا پڑتا تھا، میرا سوائے اس کے کوئی مشغلہ ہی نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے در اقدس پر پڑا رہوں اور آپ کے ارشادات سنتا رہوں یہی وجہ ہے کہ میں بکثرت روایات نقل کرتا ہوں۔(۱)

حضور ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کا حال یہ تھا کہ اگر کسی حدیث کے بارے میں معلوم ہو جاتا کہ وہ انہوں نے نہیں سنی اور دوسرا کوئی صحابی اس کا سننے والا موجود ہے، تو براہ راست اس صحابی سے سننے کے لیے وہ کئی کئی سو کلو میٹر کا سفر کرتے۔

مولانا عبدالرشید نعمانی علیہ الرحمہ نے ایسے متعدد واقعات نقل فرمائے ہیں جو ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ایک صحابی کے بارے میں کسی حدیث کا علم ہوا، خود فرماتے ہیں کہ: مجھے ایک صاحب کے متعلق اطلاع ملی کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے، میں نے فوراً اونٹ خریدا، اس پر کجاوہ کسا اور ان صاحب کی طرف ایک ماہ کا سفر طے کر کے سیدھا ملک شام پہنچا، یہ صاحب عبداللہ بن انیس تھے، میں نے ان کے دربان سے کہا جا کر کہو جابر دروازہ پر کھڑا ہے، انہوں نے سنتے کے ساتھ ہی پوچھا کیا ابن عبداللہ؟ میں نے کہا جی ہاں، وہ فوراً باہر آئے گلے ملے، میں نے کہا: مجھے ایک حدیث

(۱) مسلم: ۴۳۹۴

کے متعلق اطلاع ملی تھی کہ آپ نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے میں ڈرا کہ کہیں مجھے موت آ جائے اور اس حدیث مبارک کے سننے سے محروم رہ جاؤں، یہ سن کر حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے وہ حدیث بیان کر دی۔(۱) یہ حدیث آخرت میں قصاص سے متعلق ہے، اور امام بخاری نے اس کا ایک ٹکڑا صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب لا تنفع الشفاعة الا لمن اذن له میں ذکر کیا ہے۔

امام دارمی نے اپنی سنن میں عبداللہ بن بریدہؓ سے روایت کی ہے کہ ایک صحابی سفر کر کے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے پاس مصر پہنچے، یہ اس وقت اپنی اونٹنی کو چارہ کھلا رہے تھے، ان کو دیکھتے ہی بولے مرحبا صحابی مذکور نے فضالہ سے کہا "لم آتك زائرا" میں آپ کی ملاقات کے لیے نہیں آیا بلکہ اس غرض سے آیا ہوں کہ میں نے اور آپ نے ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی مجھے امید ہے کہ وہ آپ کے علم میں ہوگی فضالہ نے پوچھا "ما هو؟" (وہ کون سی حدیث ہے؟) صحابی مذکور نے کہا "كذا كذا" (جس میں یہ یہ ہے)(۲)

اسی طرح کا ایک واقعہ محدث حاکم نے "معرفت علوم الحدیث" میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے، کہ وہ بھی حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں صرف ایک حدیث کی خاطر سفر کر کے مصر تشریف لے گئے تھے، چنانچہ جب وہ مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے جو اس وقت مصر

(۱) فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج:۱/۱۵۸-۱۵۹

(۲) سنن دارمی، ص:۷۵، طبع نظامی کانپور، حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ج:۱/۱۵۹) میں اس کو بحوالہ ابوداؤد نقل کیا ہے۔

کے گورنر تھے، تو ان کو اطلاع دی، مسلمہ جلدی سے باہر آئے، معانقہ کیا، پوچھا کیسے تشریف آوری ہوئی، فرمایا: ایک حدیث میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنی تھی، اب سوائے میرے اور عقبہ کے اور کوئی حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے اس کا سننے والا باقی نہیں، اس لیے کسی کو بھیج دو جو مجھے ان کے مکان کا پتہ بتادے، مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فوراً آدمی ساتھ کر دیا، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو جلدی سے نکل کر معانقہ کیا اور پوچھنے لگے اے ابو ایوب! کیسے آنا ہوا؟ جواب دیا مسلمان کی پردہ پوشی کے بارے میں ایک حدیث میں نے آنحضرت ﷺ سے سنی تھی، اب میرے اور تمہارے سوا اور کوئی آپ ﷺ سے اس کا سننے والا باقی نہیں ہے، عقبہ رضی اللہ عنہ بولے ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "من ستر علی مؤمن فی الدنیا علی عزبة ستره الله یوم القیامة" (جو دنیا میں کسی رسوائی پر مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا)

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا تم نے سچ کہا، یہ کہہ کر سواری کا رخ کیا، اور سوار ہو کر مدینہ طیبہ کو واپس گئے، واپسی میں اتنی جلدی کی کہ حضرت مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جو نذرانہ ان کو بھیجا تھا وہ بھی عریش مصر میں ان کو ملا۔"(۱)

احتیاط کا عالم یہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پانچ سو حدیثیں قلم بند فرمائیں، لیکن اس خوف سے وہ مجموعہ سوخت کر دیا کہ کہیں کسی لفظ کا فرق نہ ہو گیا ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی روایت نقل کرتا تو اس پر گواہی طلب کرتے،

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۱۴-۱۵

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ قسم لیا کرتے تھے، ایک صحابی کے بارے میں آتا ہے کہ روایت فرماتے تو دوزانو بیٹھ جاتے، چہرہ سرخ ہو جاتا، کبھی کبھی غشی طاری ہو جاتی، اس پر بھی فرماتے کہ یا تو یہی فرمایا یا اس جیسا فرمایا، ابن ماجہ میں یہ روایت موجود ہے۔

اس اہتمام اور احتیاط کے ساتھ یہ پورا خزانہ تابعین کو منتقل ہوا، اعداء اسلام کو اس پوری مدت میں اس کا موقع ہی نہ مل سکا کہ وہ اس میں کچھ کمی زیادتی کر سکیں۔

منافقین اور یہودیوں کی سازباز

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخیر دور میں جب مختلف ملکوں سے لوگ آنے لگے اور دین میں داخل ہونے لگے، مختلف مزاج رکھنے والے اپنے اپنے مقاصد کے ساتھ آتے، اور جہاں ان آنے والوں میں بڑی تعداد مخلص مسلمانوں کی ہوتی وہیں ایک تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جو منافقین کی جماعت میں شامل تھے، اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اندرون خانہ وہ دین کو نقصان پہنچاتے، ایسے لوگوں کو پہچاننا آسان نہ تھا، فیصلہ ظاہر ہی پر کیا جا سکتا تھا اندرون سے کوئی کیسے واقف ہوتا، سلسلہ وحی آپ ﷺ کی وفات سے ہی منقطع ہو چکا تھا، اس لیے متعین طور پر منافقین کی تعیین تقریباً ناممکن تھی، اسی لیے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "انما النفاق کان علی عهد رسول الله ﷺ فأما اليوم فانما هو الكفر أو الايمان" (۱) (نفاق تو نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں جانا جا سکتا تھا، آج یا تو کفر ہے یا اسلام ہے) تاہم ایسے صاحب فراست موجود تھے جو اندازہ کر لیا کرتے تھے، خود حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا لقب ہی "صاحب سر رسول الله ﷺ" تھا، حضور ﷺ نے ان کو بہت سی راز کی باتیں بتائی تھیں، جن میں منافقین کے اسماء بھی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت

(۱) الجمع بین الصحیحین البخاری ومسلم: ۱۰۰

میں ان سے دریافت کیا کہ میں نے جو عمال مقرر کیے ہیں ان میں کوئی منافق تو نہیں ہے؟ تو حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو نبی ﷺ کا راز ہے میں اس کا افشاء نہ کروں گا، حضرت عمرؓ نے رات ہی ایک عامل کو معزول کر دیا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے اتنا بتا دیا کہ اب کوئی منافق عامل نہیں ہے، حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دور خلافت تک یہ منافقین بہت دبے رہے، اور ان کو سر اٹھانے کا ایسا موقع نہیں مل سکا کہ وہ اسلام کو کوئی بڑا نقصان پہنچاتے، حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں جب مملکت اسلامیہ میں وسعت پیدا ہوئی اور مختلف ملکوں کے لوگ دین میں داخل ہونے لگے تو یہودیوں نے ان کے ساتھ ساز باز کی اور دین کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی اور طرح طرح اس کے مواقع پیدا کیے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور تدوین حدیث

پہلی صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوتے ان دشمنان دین نے حدیث رسول ﷺ کو نشانہ بنانا چاہا اور یہ کوششیں شروع کر دیں کہ احادیث نبویہ میں اپنی طرف سے گڑھ گڑھ کر چابک دستی کے ساتھ وضع کردہ کلام شامل کر دیا جائے تاکہ ان کا الگ کرنا مشکل ہو، یہ وہ زمانہ تھا کہ صحابہ کرام کا دم واپسیں تھا چند گنے چنے نفوس قدسیہ باقی رہ گئے تھے جن کے دم سے تابعین براہ راست احادیث سنتے تھے، ایسی صورت حال میں یہ ڈر پیدا ہو چلا تھا کہ کہیں ان اعداء دین کی سازش کامیاب نہ ہو جائے اور صحابہ کرام کے رخصت ہو جانے کے بعد جب کہ یہ علم سینہ بسینہ منتقل ہو رہا تھا ایسے منافقین اس سلسلہ میں داخل نہ ہو جائیں جو پورا نظام بگاڑ کر رکھ دیں، اللہ تعالیٰ نے اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو پیدا فرمایا، جب وہ تخت خلافت پر بیٹھے تو اپنے عمال کے نام انہوں نے یہ فرمان جاری کیا "انظروا حدیث رسول اللہ ﷺ فاجمعوہ" (۱) اس کے علاوہ انہوں نے مختلف علاقوں کے کبار علماء کو براہ

(۱) فتح الباری، باب کیف یقبض العلم

راست متوجہ کیا، قاضی مدینہ منورہ امام ابوبکر ابن حزم کو خاص طور پر یہ تحریر فرمایا: "اکتب لی بما ثبت عندك من الحديث عن رسول الله ﷺ وبحديث عمرة فاني خشيت دروس العلم وذهابه" (۱) (آپ کے پاس جو حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوں وہ مجھے لکھ بھیجئے، مزید حضرت عمرۃ کی حدیثیں بھی، اس لیے کہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے) قاضی صاحب کے علاوہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے امام زہری، امام شعبی اور امام مکحول جیسے اور بھی جلیل القدر ائمہ کو تدوین حدیث کی طرف متوجہ کیا، فرمان خلافت کے فوراً بعد سارے حضرات جمع وتدوین حدیث میں اس طرح منہمک ہوئے کہ چھان پھٹک کر دودھ کا دودھ، پانی کا پانی کر دیا، ان حضرات کے قوت حفظ وادراک اور اتقان کے واقعات دیکھے جائیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس دین کی حفاظت کے لیے اس وعدہ الٰہی کی تکمیل تھی جو اللہ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا تھا، اور کھلا ہوا نبی ﷺ کا معجزہ تھا۔

سنن دارمی میں ابن شبرمہ کی زبانی منقول ہے کہ شعبی کہا کرتے تھے کہ اے شباک! میں تم سے دوبارہ حدیث بیان کر رہا ہوں، حالانکہ میں نے کبھی کسی سے حدیث کے دوبارہ اعادہ کی درخواست نہیں کی، اسی کتاب میں امام شعبی کا یہ بیان بھی موجود ہے "ما كتبت سوادا في بياض قط، وما سمعت من رجل حديثا فأردت أن يعيده علي" (۲) (میں نے نہ کبھی سپیدی پر سیاہی سے لکھا، اور نہ کبھی کسی سے حدیث سن کر دوبارہ اس سے اعادہ کرایا)

حافظ ابن عبدالبر "جامع بيان العلم" میں امام زہری کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں، وہ خود فرماتے تھے "اني لأمر بالبقيع فأسد آذاني مخافة أن يدخل فيها شيء من الخنا فوالله ما دخل في اذني شئ قط فنسيته" (۳) (میں بقیع

---

(۱) سنن دارمی، باب من رخص في كتابة العلم: ۴۹۶

(۲) جامع بيان العلم وفضله، في باب ذكر كراهية كتابة العلم وتخليده: ۲۵۶

(۳) باب جامع بيان العلم، ۸۳/۱

سے گذرتا ہوں تو اپنے کانوں کو اس لیے بند کر لیتا ہوں کہ کوئی بے ہودہ بات اس میں پڑ نہ جائے، کیونکہ خدا کی قسم کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی بات میرے کان میں پڑی ہو اور میں اس کو بھول گیا ہوں)

اس زمانہ میں حفظ حدیث کا ایسا رواج عام تھا کہ لکھنے کو معیوب سمجھا جاتا تھا، اس پر یہ تہمت لگ جاتی تھی کہ اس کی یادداشت میں شاید کچھ کمزوری ہے، حفاظ حدیث اتنی بڑی تعداد میں موجود تھے کہ بعد کے دور میں جب ان کے حالات مدون ہوئے تو صرف حفاظ حدیث کے تذکرہ میں دسیوں کتابیں تیار ہو گئیں، محدث جلیل مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ ان کتابوں کے تعارف کے بعد لکھتے ہیں:

> ”نظر کو بلند تر کیجیے، جس امت نے حفاظ حدیث کے حالات کو اس طرح محفوظ کیا ہو، اس نے خود حدیث کے حفظ اور اس کی یادداشت میں کیا کچھ اہتمام نہ کیا ہوگا، آج جب کہ موجودہ نسل نے اپنی قوت حافظہ کو معطل کر کے اسے بالکل بیکار اور مضمحل بنا دیا ہے، اور مطابع کے عالم وجود میں آجانے کے باعث جو علم کہ اگلے علماء کے دماغوں میں تھا وہ ہمارے کتب خانوں میں منتقل ہو چکا ہے، حفظ حدیث کے واقعات کو کتنے ہی تعجب اور حیرت کی نظر سے کیوں نہ دیکھا جائے مگر حقیقت بہرحال حقیقت ہے.......... یہی وہ زمانہ تھا جب ”علم سینہ بہ از علم سفینہ“ پر صحیح معنوں میں عمل درآمد تھا“۔(۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فرمان خلافت کے بعد ان حضرات نے بھی کتابت حدیث کی طرف توجہ فرمائی جو ابھی تک متردد تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دفتر کے دفتر تیار ہو گئے، اس وقت کی تقریباً تمام تر کوششیں یہی تھیں کہ تمام احادیث صفحہ قرطاس پر منتقل ہو جائیں، اس وقت نہ صحیح ضعیف کی اصطلاح تھی، نہ جرح وتعدیل کا فن وجود میں آیا

---

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص:۱۵۴

تھا، تاہم ان لکھنے والوں نے اس کا ضرور اہتمام کیا کہ ان حدیثیں وضع کرنے والوں سے ہوشیار رہیں، اور ان سے کوئی روایت نقل نہ کریں، جن کی اصل کا پتہ نہیں کہاں سے وہ روایتیں نقل کرتے ہیں اور کن اساتذہ سے انہوں نے علم حاصل کیا، اسی لیے یہ بات عام تھی "ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم" (۱) (یہ علم دین ہے تو خوب دیکھ لو کہ تم کس سے اپنا دین حاصل کر رہے ہو)

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ

امام زہری ان ائمہ متقدمین میں سے ہیں جن کے سر تدوین حدیث کا سہرہ ہے، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کو خاص امتیاز حاصل ہے، ان کی قوت حفظ کا تذکرہ گذر چکا ہے پھر اپنی محنت شاقہ سے انہوں نے علوم کے خزانے حاصل کئے اسی لیے ان کو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم کہا جانے لگا، خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے تھے: "عليكم بابن شهاب هذا فانكم لا تلقون أحدا أعلم بالسنة الماضية منه" (۲) (ابن شہاب زہری کو لازم پکڑو اس لیے کہ تم جس سے بھی ملتے ہو ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو سنتوں کا ابن شہاب سے زیادہ جاننے والا ہو)

حضرت عمرو بن دینار کا قول ہے "ما رأيت أحدا أنص للحديث من الزهري، وما رأيت أحدا أهون عنده الدراهم منه كانت عنده بمنزلة البعر" (۳) (میں نے زہری سے زیادہ حدیث کے لفظ لفظ کو محفوظ رکھنے والا نہیں دیکھا، اور میں نے ان سے زیادہ دنیا سے بے پرواہ کسی دوسرے کو نہیں دیکھا درا ہم ان کے نزدیک اونٹ کی مینگنیوں کی طرح تھے)

امام لیث بن سعد فرماتے ہیں: "ما رأيت عالما قط أجمع من ابن شهاب

---

(۱) صحيح مسلم: ۲٦ (۲) سير أعلام النبلاء، ۳۳٦/۵

(۳) سير أعلام النبلاء: ۳۳٦/۵

بحدیث فی الترغیب فتقول لا یحسن وان حدث عن العرب والأنساب قلت لا یحسن الا ھذا وان حدث عن القرآن والسنة کان حدیثه" (۱) (میں نے ابن شہاب سے بڑھ کر جامع عالم نہیں دیکھا، ترغیب کی احادیث بیان کریں، تو آپ کو خیال ہو یہی ان کا موضوع ہے، انساب و تاریخ عرب کو بیان کریں تو آپ کہیں گے اس میں ان کا جواب نہیں، اور اگر قرآن وسنت کا بیان کریں تو اس کے تو وہ امام ہی ہیں)

خود وہ فرماتے ہیں کہ پینتیس یا چھیالیس سال میں شام و حجاز کی حدیثیں ایک دوسرے کو پہنچاتا رہا لیکن اس عرصہ میں کسی نے مجھے ایسی حدیث نہیں سنائی، جو پہلے سے میں نے سن رکھی ہو۔(۲)

یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے کبار ائمہ وعلماء نے امام زہری سے استفادہ کیا، کہا جاسکتا ہے کہ تابعین میں حدیث کی بڑی تعداد کا مدار امام زہری ہیں، بڑی تعداد میں وہ حدیثیں ہیں جو صرف امام زہری سے مروی ہیں، حدیث کی ہر بڑی چھوٹی کتاب میں ان کی حدیثیں موجود ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں شاید ہی کوئی باب ایسا ہو جس میں امام زہری کی حدیثیں نہ ہوں۔

اعداء اسلام جن میں یہودی پیش پیش ہیں، ہمیشہ اسلام کو کمزور کرنے کی کوشش کی کرتے رہے ہیں، (۳) امام زہری جن پر بڑی تعداد میں حدیث کا مدار ہے، اور جن کو تابعین میں امیر المومنین فی الحدیث کہا جاسکتا ہے، ان کو مطعون کرنے کا بھی ان دشمنوں نے بیڑا اٹھایا، معروف یہودی مستشرق گولڈ زیہر ان میں سرفہرست ہے، ان مستشرقین کا

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳۲۸/۵

(۲) سیر أعلام النبلاء، ۳۳۵/۵

(۳) یہ بات صیہونی پروٹوکول میں داخل ہے کہ مختلف مذاہب اور قوموں کے عظیم افراد کو مطعون کیا جائے اور ان پر طرح طرح الزامات ثابت کر کے ان کی حیثیت گرادی جائے تاکہ ان پر اعتماد ختم ہو جائے، ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں انتشار پیدا ہوگا، اور دین پر اعتماد آہستہ آہستہ اٹھتا چلا جائے گا، اسی لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی مطعون کرنے کی ان مستشرقین کی طرف سے کوششیں ہوئی ہیں جو سب سے زیادہ روایات نقل کرنے والے صحابی ہیں۔

ایک وطیرہ یہ بھی رہا ہے کہ وہ کسی جزوی واقعہ کو سامنے رکھ کر اس کا اپنی طرف سے مفہوم متعین کر دیتے ہیں اور سیاق وسباق سے اس کو بالکل الگ کر دیتے ہیں، اور اپنی بات کو اس طاقت کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ بعض مرتبہ پڑھا لکھا آدمی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا، لیکن اگر ان تحقیقات کا تجزیہ کیا جائے تو دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جاتا ہے، کچھ یہی صورت حال اس مستشرق کی بھی ہے، اس نے امام زہری پر سب سے بڑا الزام یہ لگایا ہے کہ ان کا تعلق اموی حکام وخلفاء سے بہت گہرا رہا ہے اور انہوں نے زہری کو حدیث گڑھنے پر مجبور کیا، اور اس کی دلیل میں خود امام زہری کے اس قول کو پیش کر دیا ہے کہ "كنا نكره حتى أكرهنا عليه الأمراء" (۱) (ہم اس کو ناپسند کرتے تھے لیکن ان امراء نے ہمیں کتابت حدیث پر مجبور کیا) اس کا مطلب اس مستشرق نے یہ نکالا ہے کہ ان امراء نے وضع حدیث پر مجبور کیا، لیکن یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو امام زہری سے واقف نہ ہو، عام طور پر مستشرقین کی کمزوری یہ ہے کہ وہ ایک موضوع کو بعض مرتبہ اس طرح اختیار کر لیتے ہیں کہ بقیہ ہر چیز سے بے خبر رہتے ہیں، اور اس میں بھی اکثر ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی کمزوری بیان کرنے میں نہ چوکیں، گولڈ زیہر نے بھی امام زہری کے بارے میں ایک مفروضہ قائم کر لیا اور ان کے قول کی خود ساختہ تشریح کر ڈالی، اس کی تفصیل امام ابن عبد البر نے بیان کی ہے وہ امام زہری سے نقل کرتے ہیں، "كنا نكره كتاب العلم حتى أكرهنا عليه هؤلاء الأمراء فرأينا أن لا نمنعه أحدا من المسلمين" (۱) (مجھے علم کا لکھوانا پسند نہ تھا یہاں تک کہ ان امراء نے مجھے لکھنے پر مجبور کیا، پھر مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ اب جو بھی لکھوانا چاہے میں نہ روکوں)

اس سے زیادہ وضاحت ان کے مندرجہ ذیل بیان سے ہو جاتی ہے وہ فرماتے ہیں "استكتبني الملوك فاكتبتهم فاستحييت بالله اذ كتبتها الملوك أن لا

---

(۱) جامع بیان العلم وفضله، في باب ذم العالم على مداخلة السلطان، رقم: ٦٦٠

(۱) جامع بيان العلم: ٩٢/١

أکتبها لغیرهم" (۱) (مجھے بادشاہوں نے لکھنے پر مجبور کیا تو میں ان کو لکھوا دیا تو مجھے شرم آئی کہ جب میں نے بادشاہوں کو لکھوایا تو دوسروں کو کیوں نہ لکھواؤں)

امام ابن عبدالبر خود ہی آگے نقل کرتے ہیں "أقام شهاب بن عبد الملك كاتبين يكتبان عن الزهري فأقاما سنة يكتبان عنه" (۲) (ابن عبدالملک نے دو کاتب امام زہری کے پاس متعین کر دیے تھے وہ دونوں سال بھر امام کی حدیثیں نقل کرتے رہے) جو علم سے ادنیٰ شغف رکھتا ہو وہ سمجھ لے گا کہ ملوک و امراء نے امام زہری کو کس چیز پر مجبور کیا تھا، حدیثیں گڑھنے پر مجبور کیا تھا یا حدیثیں لکھوانے پر مجبور کیا تھا، امام زہری نے اکراہ کے الفاظ اس لیے استعمال فرمائے کہ وہ حدیثیں لکھوانے کو مناسب نہیں سمجھتے تھے، جو ایک دفعہ سنا کر دوہرانا اچھا نہ سمجھتا ہو وہ لکھوانے کو کتنا معیوب سمجھتا ہوگا، اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ اس زمانہ میں اصل مدار حفظ حدیث پر ہوتا تھا، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے مستشرقین کس طرح بات کا بتنگڑ بناتے ہیں، یہ قارئین کو اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو اس کو ان کی عداوت پر محمول کریں یا جہالت پر۔

امام زہری نے اموی حکام سے جو روابط قائم رکھے اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہ ان کی اصلاح کا فریضہ انجام دے سکیں، ان کے اس حکیمانہ اقدام سے ان میں متعدد کی غلط فہمیاں دور ہوئیں، اس کے واقعات تاریخ کی زینت ہیں۔

ابن عبد ربہ لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ امام زہری، ولید بن عبدالملک کے پاس شریف لے گئے، تو اس نے کہا کہ اہل شام ایک روایت مجھ سے نقل کرتے ہیں آپ کی کیا رائے ہے؟ امام زہری نے پوچھا وہ کون سی روایت ہے؟ تو اس نے کہا کہ وہ مجھ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی

---

(۱) جامع بیان العلم ۹۲/۱

(۲) جامع بیان العلم وفضله، في باب معارضة الكتاب: ۷۷/۱

بندے کو رعایا کا ذمہ دار بنائے تو اس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور برائیاں نہیں لکھی جاتیں، امام زہری نے برجستہ فرمایا: امیر المومنین! بالکل باطل روایت ہے، اور پھر امام زہری نے اس کو مطمئن کرنے کے لیے اس سے ایک سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک وہ خلیفہ جو نبی بھی ہو وہ زیادہ معزز ہے یا وہ جو صرف خلیفہ ہو؟ تو ولید نے کہا کہ وہ خلیفہ جو نبی بھی ہو، تو امام زہری نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس خلیفہ کے بارے میں جو نبی بھی تھا فرماتے ہیں ﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ (ص:۲٦) (اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا تو لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کرو، اور خواہش کے پیچھے مت پڑنا، (ورنہ) یہ چیز تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی، بلاشبہ جو لوگ بھی اللہ کے راستہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس لیے کہ وہ حساب کا دن بھول گئے)

اے امیر المومنین! یہ وعید اس خلیفہ کے لیے ہے جو نبی بھی تھا، تو اس خلیفہ کے بارے میں آپ خود فرمائیں جو نبی نہ ہو، ولید نے کہا کہ لوگ ہمیں ہمارے دین سے ہٹاتے ہیں"۔(۱)

اس واقعہ سے ایک طرف امام زہری کی ثابت قدمی اور بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے کی جرأت معلوم ہوتی ہے اور دوسری طرف دعوت کا حکیمانہ اسلوب سامنے آتا ہے، اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اموی خلفاء و حکام سے امام کے روابط کا انداز کیا تھا۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام زہری کا مسلک حفظ حدیث کا تھا، اور اس کے

(۱) العقد الفرید لابن عبد ربہ: ۱/ ۶۰

لیے وہ لکھنے کو زیادہ بہتر نہیں سمجھتے تھے، اور اگر کوئی چاہتا کہ امام اس کو کچھ لکھوادیں تو امام صاحب اس کو پسند نہیں فرماتے تھے لیکن ان کے بارے میں منقول ہے کہ شروع ہی سے احادیث لکھنے کا اہتمام فرماتے تھے، اس کا مقصد یہ تھا کہ روایات مدون ہوجائیں، ان کو یادداشت کے لیے لکھنے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ یہ کام انہوں نے جمع و تدوین حدیث کے لیے شروع فرمایا تھا، ایک بڑے راوی حدیث ابوالزناد فرماتے ہیں کہ "ہم زہری کے ساتھ علماء کی خدمت میں جایا کرتے تھے، ان کے ساتھ تختیوں اور صحائف کا ایک ذخیرہ رہا کرتا تھا، جو حدیثیں سنتے تھے وہ لکھ لیا کرتے تھے" (۱) یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے علماء عصر کو تدوین حدیث کی طرف متوجہ کیا تو سب سے پہلے امام زہری نے دفتر خلافت میں اپنا کام پیش کیا، اس لیے کہ وہ یہ کام بڑی حد تک پہلے ہی مکمل کر چکے تھے، دوسرے علماء نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فرمان کے بعد کام شروع کیا، ان کی خلافت اتنی مختصر رہی کہ قبل اس کے کہ یہ حضرات جمع و تدوین سے فارغ ہوں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات ہوگئی۔

اسی لیے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بڑی صراحت سے فرماتے تھے "اول من دون العلم و كتبه ابن شهاب" (۲) (سب سے پہلے جس نے علم مدون کیا وہ ابن شہاب (زہری) ہیں)

دوسری صدی کی تصنیفات

پہلی صدی کے اخیر میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے احادیث مدون ہوئیں، اور ان کے دفتر تیار ہوگئے، لیکن یہ کام زیادہ تر جمع و تدوین کی حد تک تھا، ترتیب و تبویب کا کام باقاعدہ دوسری صدی ہجری میں شروع ہوا (۳) امام ابوحنیفہ

---

(۱) سیر أعلام النبلاء ۳۲۹/۵ (۲) جامع بیان العلم، باب ذكر الرخصة في كتابة العلم

(۳) اس سلسلہ میں صرف امام شعبی کا استثناء کیا جاسکتا ہے جنہوں نے طلاق سے متعلق حدیثیں الگ جمع کی تھیں۔

رحمۃ اللہ علیہ کا نام اس میں سرفہرست ہے، انہوں نے باقاعدہ فقہی ترتیب کے مطابق احادیث جمع فرمائیں، اور "کتاب الآثار" کے نام سے یہ کتاب مرتب کی، اس میں یہ بھی خیال رکھا کہ وہ ان میں ان احادیث کا انتخاب کریں جو صحت کے معیار پر پوری اترتی ہوں، اسی زمانہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا کے نام سے تقریباً اسی ترتیب پر کتاب تصنیف کی جو امام ابوحنیفہ نے اختیار فرمائی تھی اور اس میں مزید وسعت دی، ان دونوں حضرات نے صحت حدیث کا خاص التزام رکھا، اس زمانہ میں وہ اصطلاحات نہ تھیں جو بعد میں اختیار کی گئیں، زمانہ بھی وہ تھا جس کے بارے میں زبان نبوت نے خیر القرون کی گواہی دی ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سی وہ روایات بعد میں ضعیف قرار دی گئیں جو ان حضرات کے نزدیک حجت تھیں، مرسل روایت کو ان حضرات نے اختیار کیا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر کوئی تابعی جو خود ثقہ اور قابل اعتماد ہے "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) کہتا ہے، تو یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ روایت صحیح ہے، ورنہ وہ ثقہ تابعی حدیث کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنے کی جرأت نہ کرتا، بعد میں حالات بدل جانے کی بناء پر محدثین کی رائے بدل گئی، لیکن اتنی بات پر تقریباً علماء متفق ہیں کہ ان دونوں کتابوں میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے جو بے اصل ہو، اور یہی دونوں احادیث کے سب سے پہلے مجموعے ہیں، ان دونوں حضرات نے احادیث رسول ﷺ کے ساتھ آثار صحابہ نقل کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں کو قبولیت عطا فرمائی، خاص طور پر مؤطا کو جو قبولیت حاصل ہوئی وہ چند ہی کتابوں کو حاصل ہو سکی۔

امام مالکؒ نے جب مؤطا تصنیف فرمائی تھی تو خلیفہ منصور نے ان سے کہا تھا کہ "میرا ارادہ ہے کہ میں آپ کی اس کتاب کے متعلق حکم دوں کہ اس کی نقلیں لی جائیں، اور مسلمانوں کے پاس ہر شہر میں اس کا ایک ایک نسخہ بھیج دیا جائے، اور فرمان جاری کردوں کہ وہ اسی کے مطابق عمل درآمد کریں اور اس سے تجاوز نہ کریں" امام مالک

نے فرمایا: "ایسا نہ کیجئے کیونکہ لوگوں کے پاس پہلے ہی سے اقوال پہنچ چکے ہیں، انہوں نے احادیث سن رکھی ہیں، اور پہلے سے جو علم ان تک پہنچا ہے وہ انہوں نے حاصل کیا ہے، اسی پر وہ عامل ہیں، اور اختلاف کے موقع پر اسی کو اختیار کرتے ہیں، انہوں نے جس کو پکڑ رکھا ہے اس سے ہٹانا بہت دشوار ہے، لوگوں کو ان کے حال پر رہنے دیجئے، اور ہر شہر والوں نے اپنے لیے جو انتخاب کرلیا ہے اس پر عمل کرنے دیجئے، منصور نے اس پر کہا کہ "اگر یہ ہماری بات مان لیتے تو میں ضرور حکم کرتا"۔(۱)

ابن عبدالبر اس واقعہ کو نقل کر کے فرماتے ہیں "هذا غاية في الانصاف لمن فهم"(۲) (یہ ہر سمجھ رکھنے والے کے لیے انتہائی انصاف کی بات ہے) امام کے اس انصاف واخلاص کا نتیجہ تھا کہ مشرق ومغرب میں یہ کتاب پڑھی اور پڑھائی گئی، اس کی شرحیں لکھی گئیں اور اس پر کام ہوا۔

امام ذہبی مؤطا کے بارے میں لکھتے ہیں "ان للموطا لوقعا في النفوس ومهابة في القلوب لا يوازيها شئ" (۳) (مؤطا کی جو وقعت ہے اور دلوں پر اس کا جو رعب ہے کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں "ما على ظهر الأرض كتاب بعد كتاب الله أصح من كتاب مالك" (٤) (کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر کوئی ایسی کتاب سامنے نہیں آئی جو امام مالک کی کتاب سے زیادہ صحیح ہو)

حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور امام وکیعؒ کی تصنیفات بھی اسی دور کی ہیں، لیکن جو مقبولیت مؤطا کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسری کتاب کو حاصل نہ ہوسکی۔

---

(۱) جامع بيان العلم وفضله: ۱/۱٦٠، فصل في الانصاف في العلم، مطبوعہ بیروت

(۲) جامع بيان العلم وفضله، فصل في الانصاف في العلم

(۳) سیر اعلام النبلاء، ۸/۲۰۳ (٤) المسوى شرح الموطا: ۱/۲۳

تیسری صدی تدوین حدیث کا سنہری دور

تیسری صدی کا آغاز ہوتے ہوتے چپہ چپہ میں حدیث کا چرچا تھا، محدث کبیر مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ اس عہد کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"یہ وہ زمانہ ہے کہ محدثین اطراف عالم میں پھیل چکے تھے، اور جا بجا اسناد وروایت کے دفتر کھلے ہوئے تھے، تمام بلاد اسلامیہ میں سینکڑوں نہیں، بلکہ ہزاروں درس گاہیں قائم تھیں، اور بڑے زور و شور سے حدیث پاک کا درس جاری تھا، اس زمانہ میں عامۃ المسلمین میں علم حدیث کا شوق اور رواج اس درجہ تھا کہ ایک ایک محدث کے حلقہ درس میں دس دس ہزار طلبہ کا شریک ہو جانا معمولی بات تھی، حافظ شمس الدین ذہبی "تذکرۃ الحفاظ" میں آٹھویں طبقہ کے (جو امام ابن ماجہ کے شیوخ کا طبقہ ہے) ایک سوتیس اکابر حفاظ حدیث کا ذکر کر کے لکھتے ہیں: "ولعل قد أهملنا طائفة من نظرائهم، فان المجلس الواحد في هذا الوقت كان يجتمع فيه أزيد من عشرة آلاف محبرة، يكتبون الآثار النبوية و يعتنون بهذا الشأن وبينهم نحو من مائتي امام قد برزوا و تأهلوا للفتيا" (۱) (اور غالباً ہم سے ان ہی کے ہم پایہ حفاظ حدیث کی ایک جماعت کا ذکر رہ گیا ہے، کیونکہ اس عہد میں ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار سے زائد دواتیں جمع ہوتی تھیں، اور لوگ احادیث نبوی کی کتابت میں مصروف اور اس فن پر متوجہ تھے، اور ان میں تقریباً دوسو امام ایسے تھے جو بالکل نمایاں تھے، اور فتوے دینے کے اہل تھے)

حافظ ذہبی نے دس ہزار طلبہ کی جو تعداد بتائی ہے یہ عام حلقہ

(۱) تذکرۃ الحفاظ، ج: ۲/ ۱۰۱، طبع جدید

ہائے درس کی ہے، ورنہ خاص خاص ائمہ حفاظ کی مجلس املا میں یہ تعداد اس سے کئی کئی گنا زیادہ ہوتی تھی، جو کبھی ایک لاکھ سے بھی اوپر پہنچ جاتی تھی، چنانچہ مسند عراق، امام حافظ ابوالحسن علی بن عاصم واسطی جو امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں، ان کے حلقہ درس میں تیس ہزار سے زیادہ کا اجتماع ہوتا تھا۔(۱)

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ، تذکرہ علی بن عاصم، یہی وہ حلقہ درس تھا کہ جس میں بڑے بڑے نامور ائمہ حدیث مثلاً: امام احمد بن حنبل، محمد بن یحیٰ ذہلی، محمد بن حمید، یعقوب بن شیبہ، حارث بن ابی اسامہ وغیرہ نے حاضر ہوکر آپ کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے، امام موصوف کا بیان ہے کہ میرے والد بزرگوار نے ایک لاکھ درہم مجھ کو دیئے تھے اور یہ کہہ دیا تھا کہ جاؤ اب بغیر ایک لاکھ حدیثوں کے میں تمہاری صورت نہ دیکھنے پاؤں، ہونہار فرزند نے باپ کی توقع کو ضائع نہیں کیا، اور اپنی سعی بلیغ سے اس فن میں وہ کمال حاصل کیا کہ دربار علم سے آپ کو مسند العراق اور الامام الحافظ کے خطابات عطا کئے گئے، چنانچہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جب آپ کا تذکرہ لکھا تو ان ہی لفظوں سے شروع کیا ہے(تذکرۃ الحفاظ)

علی بن عاصم، امام اعظم کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے، حدیث وفقہ کا بیشتر علم انہوں نے امام صاحب ہی سے حاصل کیا ہے، چنانچہ صدر الائمہ موفق بن احمد مکی المتوفی ۵۶۸ھ مناقب الامام الاعظم میں رقم طراز ہیں: "وعلی بن عاصم هذا امام اهل واسط فی الحدیث والفقه وانواع العلوم اکثر عن أبی حنیفة روایة الحدیث والفقه" (تذکرۃ الحفاظ ج:۲/۲۷) (یہ علی بن عاصم حدیث، فقہ اور دیگر انواع علوم میں اہل واسط کے امام ہیں، انہوں نے امام ابوحنیفہ سے حدیث وفقہ کی بکثرت روایت کی ہے) چونکہ انہوں نے امام صاحب سے بہت زیادہ علمی استفادہ کیا تھا اس لیے ان کو امام صاحب کے علم پر رائے قائم کرنے کا کافی موقع ملا تھا، ان کا قول ہے: "لو وزن علم أبی حنیفة باهل زمانه لرجح علم أبی حنیفة" (اگر ابوحنیفہ کے علم کا ان کے اہل زمانہ کے علم کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو ابوحنیفہ کے علم کا پلہ بھاری رہے گا)

ان کو امام اعظم سے تعلق اور محبت اس درجہ کی تھی کہ ان کے شاگرد جب یہ محسوس کرتے کہ استاذ تازہ دم ہوکر پھر طلب کی طرف متوجہ ہوں اور درس کا سلسلہ دیر تک جاری رہے تو فوراً امام صاحب اور مغیرہ بن مقسم کوفہ کے مشہور فقیہ جو امام صاحب کے معاصر تھے کا ذکر چھیڑ دیتے اور یہ تازہ دم ہوکر پھر کثرت سے روایتیں بیان کرنا شروع کر دیتے۔ (مناقب موفق، ج:۲،ص:۲۷) ۱۰۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۱ھ میں وفات پائی۔

ان ہی کے صاحبزادہ ہیں، امام ابوالحسین عاصم بن علی واسطی المتوفی ۲۲۱ھ جو امام بخاری کے بھی شیوخ میں ہیں، اور ان سے انہوں نے اپنی صحیح میں حدیثیں روایت کی ہیں ان کے متعلق حافظ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ میں رقم طراز ہیں: "قدم بغداد واملی بھا و تزاحموا علیہ" (یہ بغداد آئے، وہاں حدیث کی املاء کرائی، اور لوگوں کا ان کے پاس ازدحام لگ گیا)

ابوالحسین بن المبارک کا بیان ہے کہ ان کی مجلس درس میں حاضرین کا اندازہ ایک لاکھ نفوس سے اوپر کا کیا جاتا تھا، ہارون نامی مستملی کھجور کے ایک درخت پر چڑھ کر ان کی طرف سے مستملی (نائب جو شیخ کے الفاظ کو دور تک پہنچا سکے) ہوتے تھے، عمر بن حفص سدوسی کہتے ہیں کہ شہزادہ معتصم نے (جو آگے چل کر مامون کے بعد خلیفہ ہوا) ایک بار اپنے کارندوں کو ہمارے شیخ عاصم کی مجلس املاء میں جو "رحبۃ النخل" (بغداد کے نخلستان کا وسیع میدان) میں منعقد ہوا کرتی تھی، شرکاء درس کا اندازہ کرنے کے لیے بھیجا، عاصم چھت پر بیٹھ کر عام آدمیوں کو سنایا کرتے تھے (خلقت کے ہجوم کی یہ کیفیت تھی) کہ خود میں نے ایک دن سنا کہ وہ کہتے جاتے تھے "حدثنا اللیث بن سعد" اور کثرت ازدحام کے باعث چونکہ لوگوں کے کانوں تک آواز نہیں پہنچ رہی تھی اس لیے وہ برابر ان سے پوچھتے جاتے تھے یہاں تک کہ یہی کلمہ ان کو چودہ دفعہ دہرانا پڑا، اس مجلس میں ہارون مستملی بھی ایک خمدار کھجور کے درخت پر چڑھ کر ان کی آواز پہنچا رہے تھے، معتصم کے کارندوں نے جب اس مجلس کے شرکاء کا اندازہ کیا تو حاضرین کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار پر پہنچی، ان ہی کے

متعلق عجلی کہتے ہیں کہ میں عاصم بن علی کی مجلس درس میں شریک تھا
اس روز جب لوگوں نے اس مجلس کے حاضرین کا اندازہ لگایا تو ایک
لاکھ ساٹھ ہزار تھے)"۔(۱)(۲)

دروس حدیث کی اس کثرت کے ساتھ ساتھ اسی زمانہ میں تصنیف وتالیف کا بھی وہ کام ہوا کہ جس کی نظیر کسی دوسرے دور میں پیش نہیں کی جاسکتی، کثرت سے مسانید ومعاجم تیار کی گئیں جن میں مسند احمد کو قبول عام حاصل ہوا، ان کے علاوہ صحاح ستہ جن کی مقبولیت پر خاص وعام متفق ہیں، اسی دور کی یادگار ہیں، ان کی تفصیل میں جانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تذکرہ فن اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل کا بھی کردیا جائے، جو اگرچہ مستقل ایک فن ہے، لیکن درحقیقت وہ علم حدیث ہی کا ایک جزء ہے، تحفظ حدیث ہی کے لیے اس کا وجود ہوا، اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا اس کے نتیجہ میں صرف یہی نہیں کہ دین کی حفاظت ہوئی، بلکہ امت کے جن افراد نے تحفظ کا کام کیا، حدیثیں سنیں اور سنائیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے قبولیت بخشی اور قیامت تک کے لیے ان کے حالات محفوظ کردیے، یہ صرف اسی فن حدیث کا فیض ہے کہ آج لاکھوں افراد کے حالات زندگی تاریخ کی زینت ہیں۔

فن اسماء الرجال

پہلی صدی کا آغاز ہوا تو ان حالات میں کہ اسلام کا جو بیج مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین پر ڈالا گیا تھا، وہ مدینہ منورہ میں برگ وبار لایا تھا، جاں نثاروں کی ایک ایسی جماعت تیار ہوگئی تھی کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، حجۃ الوداع

(۱) تہذیب التہذیب، تذکرۃ امام موصوف
(۲) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۲۰-۲۱

کے موقع پر ایک لاکھ چوبیس ہزار جانثار موجود تھے، یہ وہ صحابہ رسول تھے جن کو "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" (اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی) کا پروانہ مل چکا تھا، ان کا ایک ایک فرد صادق اور عادل تھا، علماء اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ "الصحابۃ کلھم عدول" ان کے بارے میں غور وفکر کی ضرورت ہی نہ تھی، کہ کون عادل ہے اور کون غیر ثقہ، ان میں سے کون وہ ہیں جو وہم کا شکار ہو جاتے ہیں اور کون ہیں جو اس سے محفوظ ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس پوری جماعت کو تحفظ دین کے لیے تیار کیا تھا، اس لیے وہ اس طرح کے احتمالات سے بلند تھے۔

لیکن جب پہلی صدی کا اختتام ہونے کو آیا تو ان کی اکثریت اس عالم فانی سے رخصت ہو چکی تھی، اور جو رہ گئے تھے وہ چراغ سحری ہو رہے تھے، تابعین عظام کی بڑی جماعت موجود تھی جنہوں نے صحابہ سے کسب فیض کیا تھا، اور دین سیکھا تھا، یہ جماعت تابعین بھی بڑی پاکیزہ جماعت تھی، ان میں سے جن حضرات نے صحابہ کی زیارت کی تھی ان کو طویل صحبت کا موقع نہ مل سکا تھا، ان میں بہت سے ایسے بھی ہوئے جن کے حافظے پہلوں جیسے نہ رہ گئے تھے اور ان کو وہم ہو جاتا تھا، جس کی بنا پر وہ بھی مرفوع روایات کو موقوف اور موقوف کو مرفوع کر جاتے تھے، اس لیے دوسری صدی میں اس کی ضرورت پیش آئی کہ روایات کے اخذ وقبول میں احتیاط برتی جائے، اور ان لوگوں کی نشاندہی کردی جائے جو اس طرح کی غلطیاں کر جاتے ہیں، پھر ان ہی کی ایک جماعت میں بعض ایسے لوگ بھی داخل ہو گئے جو جان بوجھ کر حدیثیں گڑھنے لگے دین کو مسخ کرنے کے لیے یا دنیا کے حصول کے لیے، اس وقت اس کی ضرورت بڑھ گئی کہ صراحت کے ساتھ ان لوگوں کو نشان زد کردیا جائے تاکہ لوگ غلط فہمی میں نہ پڑ جائیں، اور ان کے حصول اور روایات کے قبول کرنے میں ان کو دھوکہ نہ ہو، (۱) یہیں سے علم جرح و تعدیل کی بنیاد پڑی اور علماء نے صراحت کے ساتھ رواۃ حدیث کے بارے میں فیصلے کرنے شروع کیے، اس دین کو قیامت تک کے لیے باقی

رہنا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو پہچاننے کا ایسا ملکہ عطا فرمایا کہ انہوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا، اس لیے انہوں نے سخت محنت کی، شہر شہر، گاؤں گاؤں پھرے، اور حدیث کے روایت کرنے والوں کے بارے میں پوری تحقیقات کیں، بعض ائمہ کو اس فن میں ایسی مہارت حاصل ہوئی کہ انہوں نے اگر کسی کے بارے میں کوئی فیصلہ کر دیا تو وہ حرف آخر ثابت ہوا، بعد کی تحقیقات نے ان ہی کی بات درست قرار دی، ان میں امام یحیٰ بن سعید القطان اور امام عبدالرحمٰن بن مہدی خاص طور پر سر فہرست ہیں، امام ابوحنیفہ کا نام بھی ان متقدمین کی فہرست میں آتا ہے جنہوں نے سب سے پہلے جرح و تعدیل کی بنیاد ڈالی، ان کا یہ جملہ مشہور ہے، امام ترمذی نے کتاب العلم میں اس کو اپنی سند سے نقل کیا ہے "ما رایت اکذب من جابر الجعفی" (میں نے جابر جعفی سے بڑھ کر جھوٹا نہیں دیکھا)

ظاہر ہے کہ اس کا مقصد کسی کی ذات کو بے ضرورت مجروح کرنا نہیں تھا بلکہ یہ اس لیے تھا کہ لوگ ایسے راویوں سے ہوشیار رہیں اور ان سے روایات نقل کرنے میں احتیاط سے کام لیں۔

کچھ ہی عرصہ گذرنے پر جب سلسلہ سند طویل ہوا اور راوی اور صحابی کے مابین دو دو، تین تین واسطے ہونے لگے تو باقاعدہ اس کی ضرورت پیش آئی کہ راویوں کے سنہ ولادت و وفات کی بھی تحقیق رہے تاکہ درمیان میں انقطاع کا جاننا آسان ہو، انہوں نے کن کن علاقوں کے سفر کیے، کن مشائخ سے روایات لیں، حالات زندگی کے ساتھ ان کی یہ تفصیلات بھی علم جرح و تعدیل کا جزو بن گئیں، اور یہیں سے باقاعدہ اسماء

---

(۱) (جیسا کہ غیاث بن ابراہیم کے عمل سے ظاہر ہے، جب وہ خلیفہ مہدی کے دربار میں حاضر ہوا تو اس کو کبوتر کے ساتھ تفریح کرتے دیکھ کر فوراً لا سبق.......... والی روایت بیان کی اور خلیفہ کو خوش کرنے کے لیے او جناح کا اضافہ کر دیا) (نزھۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر، فی فصل "کیف یعرف الوضع" ص: ۷۰

الرجال کا فن وجود میں آیا، جس نے بعد میں اتنی ترقی کی لاکھوں لاکھ راویوں کے حالات، تاریخ ورجال کی کتابوں میں محفوظ ہو گئے، اسلام نے جہاں دنیا کو سب سے بڑا تحفہ ہدایت اور نجات ابدی کا دیا، وہیں اس نے دنیا کو علم کی روشنی سے بھر دیا، کتنے علوم وہ ہیں جو اسلام کے رہین منت ہیں، اسلام سے پہلے کی معتبر تاریخ وہی ہے جو مسلمانوں نے نقل کی ورنہ دوسری قومیں اس فن ہی سے نابلد تھیں، اسماء الرجال کے فن سے تاریخ کو جس طرح وسعت ہوئی وہ ہر صاحب نظر جانتا ہے، ڈاکٹر اسپرنگر کا یہ اعتراف مشہور عام ہو چکا ہے کہ تنہا فن اسماء الرجال کا یہ کارنامہ ہے کہ ساڑھے چار لاکھ لوگوں کے حالات آج تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔

صحاح ستہ کی اصطلاح تاریخ کی روشنی میں

تمام امتوں میں اس امت کا یہ سب سے نمایاں امتیاز ہے کہ جب جیسی ضرورت پیش آئی اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے افراد تیار فرما دیے، فتنۂ ارتداد سے لے کر فتنۂ اعتزال تک تاریخ میں اس کی تابناک مثالیں موجود ہیں، اور اس کے بعد بھی موجودہ دور تک ہر جگہ اور ہر زمانہ میں جیسے فتنے کھڑے ہوئے اس کے مقابلہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی طرح ایسے افراد کھڑے کر دیے جنہوں نے ان فتنوں کا مقابلہ کیا اور امت کو صحیح غذا فراہم کی، اسلام کی پوری تاریخ دعوت وعزیمت ایسے اصحاب دعوت وارشاد اور اصحاب علم وعرفان سے روشن ہے جن کی نظیر دوسری قومیں پیش کرنے سے قاصر ہیں صرف ایک شرح بخاری فتح الباری ہی کو لے لیجئے علم کا وہ ایسا سمندر ہے کہ دنیا کی کوئی قوم ایسی کتاب پیش نہیں کر سکتی، یہ امت امت علم ہے، علم کے وہ سوتے اس امت کے افراد سے جاری ہوئے ہیں جن سے ساری دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے اور قیامت تک فائدہ اٹھاتی رہے گی۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام اس دین کے حامل وترجمان

تھے، ان کے سینوں میں ارشادات نبوی کا وہ خزانہ تھا جس پر اس دین کی بنیاد ہے، جب وہ اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو پہلا مرحلہ ان ارشادات کی تدوین وحفاظت کا تھا اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد پیدا فرمائے جنہوں نے چھان پھٹک کر احادیث رسول اللہ ﷺ کو لکھنا شروع کیا، دفتر کے دفتر تیار ہوگئے، امام زہری کی علمی خدمات کا اندازہ حضرت معمرؒ کے اس بیان سے ہوتا ہے: ''ہم سمجھتے تھے کہ زہری سے ہم نے بہت کچھ حاصل کرلیا لیکن جب ولید بن یزید کا قتل ہوا تو سرکاری خزانہ سے زہری کے علمی دفاتر سواریوں پر بار کرکے لائے گئے'' (تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ امام زہری) احادیث رسول اللہ کے ساتھ اقوال صحابہ بھی شامل کئے گئے لیکن پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ۔

ابتداء کی دو صدیوں میں یہ کام ہوا اور خوب ہوا کہ دوسری صدی میں جب قویٰ کمزور ہونے لگے تو اس کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی کہ احادیث کے ایسے مختصر مجموعے تیار ہونے چاہئیں جن سے استفادہ آسان ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے بھی ایک ایسی جماعت تیار کردی جو ایک طرف علمی جہت کی شناور اس کی فنی باریکیوں کی ماہر تھی تو دوسری طرف زہد وتقویٰ اور اخلاص واحتیاط میں اس کو بلند مقام حاصل تھا، اس کے علاوہ اس جماعت کی بڑی خصوصیت اس کی وہ انتھک محنت اور مسلسل جدوجہد ہے جو بجائے خود قابل صد رشک ہے اس جماعت محدثین نے حدیث کے خزانے کو جانچا اور پرکھا اور لاکھوں حدیثوں کا انتخاب امت کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے امت کے سامنے پیش کیا۔

اس جماعت کے سرخیل حضرت امام بخاریؒ ہیں جن کو اس پوری جماعت میں اولیت وتقدم حاصل ہے، ان کی سب سے بڑی خصوصیت صحیح ترین روایات کا انتخاب ہے دوسرا ان کا سب سے بڑا امتیاز ان کے وہ تراجم ابواب ہیں جو علوم کا خزانہ ہیں، اور اس سے امام صاحب کے تفقہ واستنباط کی زبردست صلاحیت سامنے آتی ہے۔

حضرت امام مسلمؒ نے اس کام کو آگے بڑھایا ہے، ان کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب میں سوائے ارشادات رسول کے اور کسی دوسری چیز کو درج نہ کر کے اپنی کتاب کو خالص بنایا ہے۔

ان دونوں حضرات شیخین کے علاوہ امام نسائی، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہؒ نے لوگوں کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے کتابیں تیار کیں، جن کی مستقل الگ الگ خصوصیات ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان چھ کتابوں کو ایسی شہرت ومقبولیت بخشی کہ "الکتب الستة في الاسلام" (اسلام کی چھ کتابیں) کا جب بھی تذکرہ ہوتا ہے تو یہی چھ کتابیں مراد ہوتی ہیں۔

سطور بالا میں یہ بات گزر چکی ہے کہ احادیث کے مختصرات تیار کرنے کی ضرورت پیش آئی تو یہ سلسلہ چل پڑا متعدد علماء وائمہ نے یہ کام کیا اور دسیوں کتابیں تیار ہو گئیں جن میں متعدد کتابیں بڑی اہمیت کی حامل تھیں، تیسری صدی ہجری تدوین حدیث کا سب سے سنہری دور ہے، اسی دور میں صحاح ستہ کی بھی تدوین ہوئی، انفرادی طور پر ان کتابوں کی اپنی اپنی جگہ اہمیت مسلم تھی۔ لیکن مجموعی طور پر سب سے پہلے ان کتابوں کی طرف حافظ سعید (۳۵۳ھ) نے توجہ دلائی جو ان اصحاب صحاح کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کے ہم عصر ہیں، علامہ بن حزم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حافظ ابن سکن کی خدمت میں محدثین کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے سامنے حدیث کی متعدد کتابیں آئی ہیں، اگر شیخ ان میں سے کچھ ایسی کتابوں کی طرف رہنمائی کر دیں جن پر ہم اکتفاء کریں تو بہتر ہے۔ حافظ صاحب جواب دینے کے بجائے گھر تشریف لے گئے اور کتابوں کے چار دفتر لا کر تلے اوپر رکھ دیے اور فرمایا: "هذه قواعد الاسلام، كتاب مسلم و كتاب البخاري، و كتاب ابي داؤد و كتاب النسائي" (۱) "یہ اسلام کی بنیادیں ہیں،

(۱) شروط الأئمة الستة: ۱٦

مسلم کی کتاب، بخاری کی کتاب، ابوداؤد کی کتاب اور نسائی کی کتاب"۔

اسی طرح سب سے پہلے یہ چار کتابیں لوگوں کی توجہ کا مرکز بنیں، حافظ ابن مندہ اپنی صحیح میں لکھتے ہیں: "الأئمة الأربعة الذين أخرجوا الصحيح وَمَيَّزوا ما به من سقيمه وخطاه من صوابه هم البخاري ومسلم وأبو داؤد والنسائي" (۱) (وہ چار ائمہ جنہوں نے احادیث صحیحہ کی تخریج کی، مضبوط کو کمزور سے جدا کیا، غلط کو صحیح سے الگ کیا وہ یہ ہے بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی)

عرصہ تک ان چار کتابوں پر توجہ مرکوز رہی ہے، غالباً سب سے پہلے امام ابو اسماعیلؒ بن محمد انصاری نے سنن ترمذی کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا، ان کے سامنے جب اس کتاب کا ذکر آیا تو فرمانے لگے: "كتابه هذا أنفع من كتاب البخاري ومسلم لأن كتاب البخاري ومسلم لا يقف على الفائدة منهما الا المتبحر العالم وكتاب ابي عيسىٰ يصل الى فائدته كل أحد من الناس" (۲) (میرے نزدیک یہ کتاب بخاری و مسلم کی کتاب سے بھی زیادہ مفید ہے اس لئے کہ ان دونوں کتابوں سے متبحر علماء ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ترمذی کی کتاب سے ہر شخص استفادہ کر سکتا ہے)۔

اس طرح چار کتابوں میں مزید ایک کتاب کا اضافہ ہوا، حافظ یوسف بن احمد فرماتے ہیں: "لأبي عيسىٰ فضائل تجمع وتروى وتسمع، وكتابه من الكتب الخمسة التي اتفق أهل الحل والعقل والفضل والفقه من العلماء، والفقهاء، وأهل الحديث النبهاء على قبولها والحكم بصحة اصولها" (امام ابوعیسیٰ ایسے فضائل کے حامل ہیں جن کو لکھا جاتا ہے، بیان کیا جاتا ہے، اور سنایا جاتا ہے، ان کی کتاب ان پانچ کتابوں میں داخل ہے جس کی قبولیت اور ان کے

---

(۲) تهذيب التهذيب، ترجمة عكرمة مولى بن عباس

(۳) شروط الأئمة الستة: ۱۶

اصول کی صحت کے فیصلہ پر علماء، فقہاء، اور اکابر محدثین میں سے اہل حل وعقد اور ارباب فضل ودانش نے اتفاق کیا ہے)(۱)

حافظ ابوطاہر السلفیؒ نے ان پانچوں کتابوں کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے:"

قد اتفق على صحتها علماء الشرق والغرب" (۲) (ان کتابوں کی صحت پر مشرق ومغرب کے علماء متفق ہیں)

عرصہ تک یہ پانچ کتابیں خاص طور پر متداول رہیں، کتب خمسہ کی اصطلاح ان ہی پانچ کتابوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ سب سے پہلے بزرگ جنہوں نے اس میں چھٹی کتاب شامل کی حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی (۵۰۷ھ) ہیں جنہوں نے "شروط الأئمة الستة" اور "أطراف الكتب الستة" دو مشہور کتابیں تصنیف کیں اور ان پانچ کتابوں کے ساتھ سنن ابن ماجہ کو بھی شامل کیا، یہاں سے صحاح ستہ کی اصطلاح شروع ہوئی، امام سیوطی نے لکھا ہے:"فتابعه أصحاب الألطاف والرجال"(۳) (پھر مصنفین الطاف ورجال نے ان ہی کی پیروی کی)

اور یہ سلسلہ چل پڑا، ان چھ کتابوں کے رجال پر سب سے پہلے حافظ عبدالغنی مقدسی نے "الاكمال في أسماء الرجال" تصنیف کی اسی کتاب کی تنقیح امام مزی نے کی اور "تهذيب الكمال" نام رکھا، پھر حافظ ابن حجرؒ نے مزید اس کی تلخیص وتنقیح کا کام کیا "تهذيب التهذيب" اس کا نام رکھا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چھٹی صدی کے آغاز ہی میں یہ اصطلاح بن گئی تھی، لیکن اس کو عمومی شہرت بعد میں حاصل ہوئی کہ حافظ ابن صلاح اور امام نوویؒ نے معتمد

---

(۱) یہی وجہ ہے کہ صحاح ستہ میں سب سے پہلے سنن ترمذی کا درس ہوتا ہے اس کے بعد دوسری کتابیں پڑھائی جاتی ہیں

(۲) ابن ماجہ اور علم حدیث: ۲۲۷، بحوالہ شرح ترمذی لابن سید الناس مخطوطہ

(۳) المفصل في علوم الحديث: ۱۲۰

علیہ کتابوں کے سلسلہ میں پانچ ہی کتابوں کے مصنفین کے وفیات ذکر کی ہیں، اس کی وجہ غالبًا یہ بھی رہی ہے کہ ابتداء میں چھٹی کتاب کے سلسلہ میں مشرق ومغرب کے علماء میں اختلاف رہا ہے، اہل مشرق کے نزدیک وہ کتاب سنن ابن ماجہ ہے لیکن اہل مغرب نے امام مالک کی مؤطا کو چھٹی کتاب کے طور پر کتب ستہ میں شامل کیا ہے۔

حافظ ابن طاہر جنہوں نے سب سے پہلے سنن ابن ماجہ کو چھٹی کتاب کے طور پر کتب ستہ میں شامل کیا ہے، انکے معاصر محدث رزین بن معاویہ عبدری (۵۲۵ھ) نے سنن ابن ماجہ کے بجائے مؤطا کو اس میں شامل کیا ہے، اور اپنی کتاب (۱) میں کتب خمسہ کے ساتھ سنن ابن ماجہ کے بجائے مؤطا امام مالک کی حدیثوں کو درج کیا ہے، لیکن متاخرین اس بات پر تقریبًا متفق ہیں کہ ابن ماجہ ہی کو صحاح ستہ میں شمار کیا جائے، امام ابوالحسن سندھی لکھتے ہیں: "غالب المتاخرين على انه سادس الستة" (۲) مشہور مورخ ابن خلکان لکھتے ہیں: "وكتابه في الحديث أحد الصحاح الستة" (۳) (ان کی کتاب حدیث میں صحاح ستہ میں سے ایک ہے)

حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) "الباعث الحثيث" میں تحریر فرماتے ہیں: "ہو عبدالله محمد بن يزيد ابن ماجة القزويني صاحب السنن التي كمل بها الكتب الستة والسنن الأربعة بعد الصحيحين" (٤) (ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی اس سنن کے مصنف ہیں کہ جس سے صحاح ستہ نیز صحیحین کے بعد سنن اربعہ کی تکمیل ہو جاتی ہے)

---

(۱) تدريب الراوي: ۳۰

(۲) التجريد الصحاح الستة

(۳) ابن ماجہ اور علم حدیث: ۲۳۳ بحوالہ شرح ابن ماجہ از سندھی

(۴) وفيات الأعيان، ترجمة ابن ماجة

باب دوم
صحاح ستہ اور ان کے مصنفین

امام بخاریؒ

پوری اسلامی تاریخ میں صحابہ کرام کے بعد جو چند گنے چنے نقوش قیامت تک کے لیے صد مایۂ افتخار ہیں، ان میں امام بخاریؒ کا نام نامی بھی شامل ہے، ان کا احسان پوری امت پر یہ ہے کہ انہوں نے منتخب احادیث کا ایسا مجموعہ امت کے سامنے پیش کیا جس پر "اصح الکتاب بعد کتاب اللہ" کی مہر ثبت کر دی گئی، علمائے امت نے قرآن مجید کے بعد اس کتاب کی جتنی خدمت کی کوئی دوسری کتاب اس کے قبول عام میں اس کی شریک نہیں، یہی وجہ ہے کہ امام صاحبؒ کی محبت احادیث وسنت سے شغف رکھنے والے ہر مسلمان کے دل میں ہے، بلکہ ایک عامی بھی کسی نہ کسی درجہ دل میں ان کے لیے ایک دھڑکن محسوس کرتا ہے، ان کو بجا طور پر "امیر المؤمنین فی الحدیث" کا لقب حاصل ہے، ان کی اس مقبولیت میں ان کی ذہانت، قوت حافظہ، محنت شاقہ کے علاوہ تقویٰ، دیانت داری، خشیت الٰہی اور اخلاص وللّٰہیت کو خاص دخل ہے، اکل حلال کے اہتمام کا بھی ان کی اس مقبولیت میں خاص حصہ ہے، جو صرف امام صاحبؒ ہی کا نہیں بلکہ ان کے خاندان کا امتیاز تھا۔

والد ماجد

والد ماجد شیخ اسماعیلؒ دیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، ان کے والد مغیرہ والی بخاری یمان جعفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے، امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ''میرے والد نے امام مالکؒ سے حدیثیں سنی ہیں، حضرت حماد بن زید کو دیکھا ہے اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا ہے''۔(۱)

شیخ اسماعیلؒ اپنے زمانہ کے پرہیزگار لوگوں میں تھے، تقویٰ مزاج میں داخل تھا، احتیاط کا حال یہ تھا کہ مشتبہ مال بھی کبھی گھر میں داخل نہیں ہوا، احمد بن حفص فرماتے ہیں کہ میں مرض الموت میں عیادت میں گیا تو فرمانے لگے کہ ''میں اپنے مال میں ایک درہم بھی حرام نہیں پاتا اور نہ ہی مشتبہ مال میں کوئی درہم میرے پاس ہے''(۲) والدہ ماجدہ بھی بڑی صالحہ اور بزرگ خاتون تھیں، دعا ومناجات کا ان کو خاص ذوق حاصل تھا۔

ولادت اور بچپن

شوال ۱۹۴ھ میں ولادت ہوئی، والد کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا، والدہ نے بڑی دل سوزی سے ان کی تربیت کی، مشہور ہے کہ بچپن ہی میں ان کی بینائی چلی گئی تھی، ان کی والدہ پر اس کا بڑا اثر تھا، انہوں نے رو رو کر ان کے لیے دعائیں کی تھیں، ایک شب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ وہ ان کو خطاب فرما رہے ہیں: ''اللہ نے تمہاری گریہ وزاری سن لی اور تمہارے فرزند کی بینائی واپس کر دی، صبح ہوئی تو انہوں نے اپنے فرزند کو بینا پایا''(۳)

بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی ذہانت اور قوی حافظہ عطا فرمایا تھا، مکتب کی تعلیم کے دوران ہی ان کو حفظ حدیث کا شوق ہو گیا تھا، گیارہ سال کی عمر سے انہوں نے محدثین کے درس میں بیٹھنا شروع کر دیا تھا، اس وقت تک ان کو خاصی تعداد حفظ ہو چکی تھی

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳۹۲/۱۲ (۲) سیر أعلام النبلاء: ۴۴۷/۱۲

(۳) تهذیب الکمال: ۱۱۷۰، مقدمه فتح الباری: ۵۶۰، سیر أعلام النبلاء: ۳۹۳/۲

اور ذہانت کا یہ عالم تھا کہ اسانید کا فرق سمجھنے لگے تھے، اسی زمانہ کا اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ "میں محدث داخلیؒ کے درس میں شریک ہونے لگا تھا، ایک دن وہ احادیث سناتے ہوئے ایک سند کا ذکر اس طرح کرنے لگے، "سفیان عن أبی الزبیر عن ابراهیم" (سفیان ناقل ہیں ابوالزبیر اور وہ ابراہیم سے نقل کرتے ہیں) میں نے کہا: ابوالزبیر ابراہیم سے روایت نہیں کرتے، شیخ نے مجھے جھڑک دیا، میں نے کہا: اصل دیکھ لیجیے، اندر تشریف لے گئے، دیکھ کر باہر آئے اور کہنے لگے، بیٹے سند کس طرح ہے؟ میں نے کہا "هو الزبیر بن عدی عن ابراهیم" زبیر بن عدی ابراہیم روایت کرتے ہیں، انہوں نے مجھ سے قلم لیا اور اپنی کتاب کی تصحیح کی اور فرمایا: تم ٹھیک کہتے ہو، امام صاحب سے پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کی کیا عمر تھی؟ فرمایا "گیارہ سال، سولہ سال کا ہوا تو اس وقت تک میں عبداللہ بن مبارکؒ، وکیعؒ اور دوسرے حضرات کی تصنیفات حفظ کر چکا تھا"۔(۱) سترہ آغاز ہونے سے پہلے پہلے ان کو ستر ہزار سے زائد حدیثیں یاد ہو چکی تھیں۔

طلب علم کے لیے اسفار

"بخاریٰ" میں امام صاحب نے ابتدائی تعلیم حاصل کی، محدثین سے استفادہ کیا اور کتابیں حفظ کر لیں، ۲۱۰ھ کے بعد پہلا سفر والدہ اور بھائی کے ساتھ حجاز مقدس کا کیا، حج کی سعادت حاصل کی، حج سے فارغ ہو کر والدہ اور بھائی وطن واپس ہوئے، امام صاحبؒ طلب علم کے لیے وہیں ٹھہر گئے اور وہاں کے کبار شیوخ سے حدیثیں سنیں، پھر ان تمام اسلامی سینٹروں کو چھان مارا جہاں محدثین وعلماء کے مراکز تھے، وہ خود فرماتے تھے کہ "میں نے ایک ہزار اسی (۱۰۸۰) مشائخ حدیث سے حدیثیں لکھیں ہیں" (۲)

حصول علم میں انہماک

امام صاحب کے قوت حافظہ کے واقعات ایسے ہیں کہ عقلیں دنگ رہ جائیں، خود ان کے معاصرین کو ان پر حیرت ہوتی تھی، لوگوں میں مشہور ہو گیا تھا کہ انہوں نے قوت

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳۹۳/۲، مقدمة: ۵٦٠ (۲) سیر أعلام النبلاء: ۳۹۵/۱۲

حفظ کی کوئی دوالی ہے، محمد بن فضیلؒ نے ایک مرتبہ تنہائی میں ان سے دریافت کیا کہ "قوت حفظ کے لیے کیا کوئی دوا مفید ہے؟ فرمایا: مجھے علم نہیں، پھر کچھ توقف کے بعد فرمانے لگے، قوت حفظ کے لیے انہماک اور مستقل مراجعت سے زیادہ مفید اور کچھ نہیں" (۱)

خود ان کے اس دوام نظر اور بار بار مراجعت کا حال امام کے ہم وطن محمد بن یوسف بخاری یوں بیان فرماتے ہیں کہ "میں نے ایک رات محمد بن اسماعیل (امام بخاریؒ) کے گھر بسر کی، میں نے شمار کیا کہ وہ رات میں اٹھارہ مرتبہ اٹھے، چراغ جلایا، کچھ لکھا (پھر لیٹ گئے)" (۲)

ابو حاتم وراقؒ کہتے ہیں کہ "میں سفر میں ہوتا تو رات امام صاحب کے ساتھ گزارتا، میں دیکھتا تھا کہ وہ رات میں پندرہ بیس مرتبہ اٹھتے ہیں، نوشتہ احادیث نکال کر کچھ نشانات وغیرہ لگاتے ہیں"۔ (۳)

شروع ہی سے انہوں نے زندگی کے لمحہ لمحہ کو خدمت حدیث کے لیے وقف کر دیا تھا، وہ پوری طرح اس میں ڈوب گئے تھے، یہی ان کے بچپن کا کھیل تھا اور یہی ان کے جوانی کی تفریحات، ان کے معاصرین ہانی بن نضرؒ بیان کرتے ہیں کہ "ہم ملک شام میں محمد بن یوسف فریابیؒ کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے، تفریح کرتے باغات میں جا کر پھل کھاتے، جیسا کہ عام طور پر نوجوانوں کا مشغلہ ہوتا ہے، محمد بن اسماعیل (امام بخاریؒ) کا حال یہ تھا کہ وہ ہم سے تو کچھ بھی تعرض نہ کرتے اور خود حصول علم میں لگے رہتے"۔ (۴) ایک بڑے محدث کا بیان ہے کہ "کان همه الحديث" ان کی ساری فکر حدیث ہی سے متعلق ہوتی تھی۔

وہ خود فرماتے ہیں کہ لوگ حدیثیں سنتے ہیں اور لکھ لیتے ہیں، زیادہ چھان بین نہیں کرتے، میرا حال یہ ہے کہ میں کسی حدیث کو لکھنا چاہتا ہوں تو اس کا نسب، کنیت،

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۲/۶۰۴ (۲) سیر أعلام النبلاء: ۱۱/۴۰۴، تهذيب الكمال

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۱۲/۴۰۴، تاريخ بغداد ۳۰۲

(۴) سیر أعلام النبلاء: ۱۲/۴۰۵

تحمل، حدیث کی کیفیت سب کچھ معلوم کر لیتا ہوں، ضرورت ہوتی ہے تو حدیث سنانے والے سے یہ درخواست بھی کرتا ہوں کہ وہ اپنا اصل نوشتہ حدیث دکھا دیں اور میں اس سے مراجعت کرلوں۔

تعلیم کے دوران سخت دشواریاں بھی پیش آئیں، بعض بعض مرتبہ تنگی کی یہ صورت پیش آتی کہ گھاس کھا کر گزارہ کرنا پڑا لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی، اور نہ یہ دشواریاں ان کے انہماک علمی کی راہ میں رکاوٹ بنیں۔

مقبولیت اور رجوع عام

روایات کے اخذ وقبول میں اس احتیاط، تیقظ اور قوت استحضار نے لوگوں کو ان کا گرویدہ بنا دیا تھا، بڑے بڑے علماء ومشائخ ان سے استفادہ کرتے، استفادہ کا یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہو گیا تھا جب وہ بالکل نو عمر تھے، علمائے بصرہ کا حال یہ تھا کہ علم حدیث حاصل کرنے کے لیے پیچھے دوڑتے تھے، ان کو پکڑ کر کہیں راستہ ہی میں بیٹھا لیتے، مجمع لگ جاتا، ہزاروں لوگ جمع ہو جاتے، امام صاحب حدیثیں سناتے جاتے اور لوگ لکھتے جاتے جبکہ اس وقت وہ بالکل نوجوان تھے، ریش بھی اس وقت نہیں نکلی تھی۔

علم حدیث میں ان کی وقت نظر کا چرچا دور دور پھیل رہا تھا، جب وہ بغداد تشریف لے گئے تو علمائے بغداد نے ان کا امتحان لیا، اور اس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ سو حدیثیں لے کر اس کے متون اور اسانید کو الٹ پلٹ دیا اور ایک ایک محدث کو دس دس حدیثیں دی گئیں، امتحان کی مجلس منعقد ہوئی، امام صاحبؒ کو بلایا گیا، لوگ جمع ہوئے، پہلے محدث نے پہلی حدیث سنائی متن کوئی اور تھا اور سند دوسرے متن کی اس میں جوڑ دی گئی تھی، امام صاحبؒ نے فرمایا: میں اس سے واقف نہیں، دوسری حدیث سنائی یہی جواب دیا، یہاں تک کہ دسوں حدیثوں میں امام صاحب نے یہی جواب دیا، وہ علماء ایک دوسرے کو اشارہ کرنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھ گئے، پھر دوسرا کھڑا ہوا اس نے بھی دسوں حدیثیں اسی طرح سنائیں اور امام صاحبؒ یہی جواب دیتے رہے، بالآخر

جب سب فارغ ہوگئے تو امام صاحبؒ کھڑے ہوئے اور انہوں نے شروع سے ایک ایک حدیث صحیح سند کے ساتھ سنانی شروع کی یہاں تک مکمل سو حدیثیں درست کر کر کے سنادیں، تمام لوگ ان کے فضل وکمال کے معترف ہوگئے۔ (۱)

حضرت امام صاحبؒ کی قوت حفظ اور استحضار کا اعتراف ہر خاص وعام کو تھا، بڑے محدث حضرت علی بن مدینیؒ فرماتے تھے "محمد بن اسماعیلؒ سب سے آگے بڑھ گئے" امام بخاریؒ خود فرماتے تھے کہ "میں ابن المدینی کے سامنے اپنے کو چھوٹا محسوس کرتا ہوں" جب یہ بات علی بن مدینیؒ سے کہی گئی تو فرمانے لگے کہ "انہوں نے اپنا جیسا کسی کو نہیں دیکھا"، بصیرت اور رسوخ فی العلم کا حال یہ تھا کہ بڑے بڑے اساتذۂ حدیث ان کی رائے قبول کرتے اور دوران درس اپنی غلطی کو تسلیم کرتے۔

حضرت امام احمدؒ جو امام بخاریؒ کے استاذ وشیخ ہیں فرماتے تھے کہ "خراسان میں ان جیسا دوسرا کوئی پیدا نہیں ہوا"۔

حسین بن حریثؒ فرماتے ہیں کہ "میں نے ان کی طرح کسی کو نہیں دیکھا، معلوم ہوتا تھا کہ ان کو صرف حدیث کے لیے پیدا کیا گیا ہے"۔

محمد بن نصر شافعیؒ کہتے ہیں کہ "میں بصرہ، شام، حجاز، کوفہ ہر جگہ گیا، وہاں علماء سے ملاقاتیں ہوئیں، جہاں بھی محمد بن اسماعیل (امام بخاریؒ) کا ذکر آتا، لوگ ان کے فضل وکمال کو سب پر فوقیت دیتے"۔

حضرت رجاءؒ فرماتے تھے کہ "وہ زمین پر چلتی پھرتی اللہ کی ایک نشانی ہیں"۔

محدث جلیل حضرت قتیبہ بن سعیدؒ فرماتے تھے کہ "مشرق ومغرب سے لوگ ہمارے پاس آتے ہیں، لیکن محمد بن اسماعیلؒ جیسا میں نے نہیں دیکھا"۔

امام ابوبکر بن خزیمہؒ کا قول ہے کہ "آسمان کے نیچے میں نے محمد بن اسماعیلؒ سے بڑا عالم حدیث اور حافظ حدیث نہیں پایا"۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱۲/۴۰۹) یہ واقعہ اکثر محدثین نے نقل کیا ہے، تاریخ بغداد، وفیات الأعیان، تہذیب الکمال، وغیرہ

امام ترمذی فرماتے تھے کہ "میں نے عراق وخراسان میں علل وتاریخ اور اسانید احادیث میں امام بخاریؒ سے بڑا عالم کسی کو نہیں دیکھا"۔ ابو علی صالح بن محمدؒ فرماتے تھے کہ "بغداد میں ان کی مجلس درس میں بیس ہزار سے زیادہ لوگ ہوتے تھے"۔

امام مسلمؒ ایک مرتبہ تشریف لائے کچھ علل سے متعلق دریافت کیا، امام بخاریؒ کے جواب پر فرمانے لگے کہ "آپ سے وہی بغض کرے گا جس کے اندر حسد ہوگا، میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ کے جیسا کوئی نہیں"۔(۱)

خصال حمیدہ

حضرت امام بخاریؒ علم میں انتہائی بلندی پر پہنچنے کے باوجود سراپا نیاز تھے، ان کی مثال اس ثمر دار درخت کی تھی کہ اس میں جتنے بھی پھل آتے ہیں وہ اتنا ہی جھکتا ہے، وہ جرح وتعدیل کے بھی امام تھے لیکن اس میں بھی بہت تول تول کر الفاظ فرماتے تھے، جن کمزور راویوں کی تضعیف کرنی ہوتی تھی تو ان کے بارے میں بھی سخت الفاظ استعمال نہ فرماتے، شاید ہی انہوں نے کسی کو "کذاب" "وضاع" کہا ہو، کسی راوی پر کلام کرنا ہوتا تھا، اس کو ضعیف بتانا ہوتا تھا تو اکثر وبیشتر "فیہ نظر" فرماتے۔

ان علمی مشغولیتوں کے باوجود عبادت گزاری میں بڑا وقت صرف کرتے، تہجد میں عام طور پر تیرہ رکعتوں کا معمول تھا، اس وقت عام طور پر تنہا ہی اٹھ کر نماز میں مشغول ہو جاتے، خدام کو اٹھانا پسند نہیں تھا، محمد بن ابی حاتم وراقؒ کہتے ہیں کہ "ہم نے عرض کیا کہ آپ سارے کام خود کرتے ہیں اور بوجھ اٹھاتے ہیں، بیدار کر دیا کریں، فرمایا: تم نوجوان آدمی ہو، میں تمہاری نیند خراب کرنا نہیں چاہتا"۔ نماز میں انہماک کا حال یہ تھا کہ ایک رات دوران نماز بھڑ نے سترہ جگہ ڈسا وہ اطمینان سے نماز میں مشغول رہے، فارغ ہو کر فرمایا کہ "ذرا دیکھو کس چیز سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے"، اسی طرح ایک کسی تعلق والے کے باغ میں ظہر بعد نوافل میں مشغول ہو گئے، بھڑ

---

(۱) یہ سارے اقوال "سیر أعلام النبلاء: ۱۲، ۴۱۶، ۴۳۲" سے اخذ کیے گئے ہیں۔

کپڑے کے اندر گھس گئی اور اس نے کئی جگہ ڈسا، اس کی وجہ سے جسم پر ورم آ گیا لیکن امام صاحبؒ نماز میں مشغول رہے، بعد میں کسی نے دریافت کیا کہ اس نے جب پہلی مرتبہ ڈسا تو آپ کس طرح نماز پڑھتے رہے؟ فرمایا: "میں ایک سورہ کی تلاوت میں مشغول تھا، جی چاہا کہ وہ سورہ پوری کر لوں"۔

تورع کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ تشریف فرما تھے، محمد بن عباس فربریؒ بھی ساتھ تھے، امام صاحبؒ کی ڈاڑھی میں چھوٹا سا کوئی دانہ لگا رہ گیا تھا، محمد بن عباسؒ نے اس کو نکال کر دیں ڈالنا چاہا تو فرمایا کہ اس کو مسجد کے باہر پھینکو۔

کسی کی دل شکنی گوارہ نہ تھی، ایک صاحب نے امام صاحبؒ سے بڑا قرض لے رکھا تھا، اتفاق سے وہ صاحب آئے تو لوگوں نے کہا کہ تقاضے کا بہتر موقعہ ہے آپ اپنا قرض واپس لے لیجئے، امام صاحبؒ نے فرمایا "میں اس کو پریشان نہیں کرنا چاہتا"، وہ صاحب دوسرے شہر چلے گئے تو متعلق والوں نے کہا کہ آپ امیر شہر کو لکھ بھیجئے وہ آپ کا قرض ادا کروا دیں گے، فرمایا: آج میں اپنی ضرورت سے لکھوں گا، کل وہ اپنی ضرورت میرے سامنے رکھ دیں گے اور مجھ سے سفارش چاہیں گے، لوگوں نے اپنے طور پر امیر سے بات کر لی، امام صاحبؒ کو پتہ چلا تو ان کو بہت شاق گزرا، انہوں نے فوراً امیر کو خط بھیجا کہ اس کو تنگ نہ کیا جائے اور دوسرے اہل تعلق کو بھی لکھ دیا کہ اس کے ساتھ خیر کا برتاؤ ہی کیا جائے، لوگوں کے شدید اصرار پر سالانہ دس درہم لینے پر راضی ہوئے جبکہ قرض پچیس ہزار تھا۔

کبھی اگر املا کرانے میں زیادہ وقت صرف ہو جاتا تو شاگردوں کی دلجوئی فرماتے اور بشارتیں سناتے، حسین بن محمد سمرقندیؒ فرماتے تھے "محمد بن اسماعیل (امام بخاریؒ) خصائل حمیدہ کے مالک تھے لیکن تین اوصاف ان کے اندر امتیازی تھے، ایک تو وہ بہت کم گو تھے، دوسرے مال و دولت سے ان کو کوئی سروکار نہ تھا، تیسری امتیازی صفت ان کی یہ تھی کہ لوگوں کے بکھیڑوں سے ان کو کوئی لینا دینا نہیں تھا، ان کی ساری مشغولیت علم میں تھی"۔

سخاوت میں فرد تھے، صدقات نافلہ کثرت سے فرماتے، دیناروں کی تھیلی ہمیشہ

ساتھ رہی، ہر ضرورت مند کو بیس تیس درہم دیتے رہتے تھے، کوئی خالی ہاتھ نہ جاتا، جہاں تک ہوسکتا اخفاء فرماتے، ایک مرتبہ کسی سائل کو تین سو درہم کا تھیلہ دے دیا، وہ دعا دینے لگا تو فوراً بات کا رخ پھیر دیا تاکہ کوئی سمجھ نہ سکے، روای کا کہنا ہے کہ اس نے مجھے بعد میں بتایا کہ تھیلے میں تین سو درہم ہیں۔ خدام اور شاگردوں کی ضرورتوں کا خاص خیال فرماتے اور اس میں بڑی فیاضی سے خرچ کرتے۔(۱)

آزمائش

حدیث میں آتا ہے "أشد الناس بلاءً الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل" (۲) (سب سے سخت آزمائش حضرات انبیاء کی ہوتی ہے پھر درجہ بدرجہ)

حضرت امام بخاریؒ ترجمان سنت تھے، امیر المؤمنین فی الحدیث تھے، مقبولیت کا حال یہ تھا کہ جس شہر میں چلے جاتے خلقت امنڈ پڑتی، آج ان کا نام سرداران امت میں لکھا جاتا ہے، ان کو کیسے نہ آزمایا جاتا۔

امام ابو حنیفہؒ کو عہدۂ قضاء سپرد کیا گیا، قبول نہ فرمانے پر جیل میں ڈال دیا گیا، اسی حال میں دنیا سے رخصت ہوئے، امام احمدؒ کو خلیفۂ وقت نے کوڑے لگوائے صرف اس لیے کہ انہوں نے حق کو نہیں چھوڑا اور خلیفہ کی رائے تسلیم نہیں کی، امام بخاریؒ اخیر میں جب اپنے وطن بخاریٰ تشریف لائے، تو شہر کے باہر ان کا زبردست استقبال ہوا، دینار و درہم لٹائے گئے استفادہ کرنے والوں کا ہر وقت جم غفیر رہتا تھا، ان کی یہ مقبولیت بہت سوں کو راس نہ آسکی اور وہ حسد میں مبتلا ہوئے، انہوں نے امیر بخاریٰ کے کان بھرے پھر یہ قصہ پیش آیا کہ امیر نے حضرت امام صاحبؒ کو درس کے لیے اپنے محل بلانا چاہا، اور یہ چاہا کہ ان کے فرزند الگ سے امام صاحبؒ سے حدیثیں سنیں، اس نے قاصد سے کہلا بھیجا کہ امام صاحبؒ اپنی کتابوں کے ساتھ محل میں آجائیں اور درس دیں، امام

(۱) سیر أعلام النبلاء، ۱۲ - سے یہ اقوال و واقعات منقول ہیں

(۲) صحیح البخاری فی کتاب المرضی

صاحبؒ نے اس کو منظور نہیں فرمایا اور کہلا دیا کہ جو حدیثیں سننا چاہتا ہو وہ خود مجلس درس میں شرکت کرے، اس کو موضوع بنا کر حاسدین نے امیر کو امام صاحبؒ کے خلاف بھڑکا دیا، جس کے نتیجہ میں امام صاحبؒ کو وہاں سے نکلنا پڑا، پھر مختلف علاقوں میں امام صاحبؒ کے خلاف ایسی فضاء بنائی گئی کہ ہر جگہ کچھ لوگ ان کے خلاف ہو گئے اور ایک جماعت ان کے ناپسند کرنے والوں کی کھڑی ہو گئی، اس طرح ہر جگہ ایک جھگڑا کھڑا ہو گیا، امام صاحبؒ جہاں تشریف لے جاتے اسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا، دل برداشتہ ہو کر وہ دوسرے شہر کا رخ فرماتے، ان کے آخری ایام اسی اضطراب اور بے چینی میں گزرے، اور اسی حال میں وہ دنیا سے تشریف لے گئے۔

وفات

مذکورہ حالات کا امام صاحبؒ پر بہت اثر پڑا، ان کی صحت بھی اس سے خاصی متاثر ہوئی، آخر میں وہ اپنے کچھ اعزہ کے یہاں تاشقند کے ایک چھوٹے سے قصبہ خرتنگ تشریف لے گئے، کچھ مدت وہاں قیام فرمایا، وہاں بھی وہی افراتفری کی صورت پیش آنے لگی تھی، عبدالقدوس بن عبدالجبار سمرقندیؒ کہتے ہیں کہ وہیں ایک رات ہم نے ان کو تہجد کے نماز کے بعد یہ دعا کرتے ہوئے سنا "اَللّٰهم انهٗ قد ضاقت عليَّ الارض بما رحبت فاقبضني اليك" (اے اللہ! یہ زمین وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی اب تو اپنے پاس بلا لے، اس کے ایک ماہ کے بعد امام صاحبؒ کا وصال ہو گیا)

ابو منصور غالب بن جبرئیل کے یہاں امام صاحبؒ کا قیام تھا، وہ وفات کی پوری تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "وہ ہمارے یہاں کچھ دن ٹھہرے، ان کی طبیعت خراب ہوئی اور حالت بگڑتی گئی، اس اثنا میں حکومت کا قاصد پہنچ گیا کہ ان کو نکالا جائے، سواری لائی گئی، امام صاحبؒ نے عمامہ باندھا، خفین پہنے اور سوار ہونے کے لیے چلے، میں اور ایک دوسرا شخص ان کو تھامے ہوئے چل رہے تھے، بیس قدم مشکل سے چلے ہوں گے، فرمانے لگے "مجھے چھوڑ دیں میں بہت کمزور ہو گیا" کچھ

دعائیں پڑھنے لگے اور لیٹ گئے اور روح پرواز کرگئی، اس دوران عجیب طرح کا پسینہ جاری ہوگیا، ہم نے تجہیز اور تکفین کا انتظام کیا، جب ہم تکفین سے فارغ ہوگئے تو قبر سے ایسی خوشبو آنی شروع ہوئی جو مشک سے بہتر تھی، کئی روز تک یہ سلسلہ جاری رہا، پھر قبر کے اوپر آسمان تک نور کی لڑیاں سی نظر آتی تھیں، لوگ دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے، ان کے مخالفین کے سامنے وفات کے بعد یہ حقیقت ظاہر ہوئی، وہ ان کی قبر کے پاس جاکر اظہار ندامت کرتے تھے اور روتے تھے۔"(۱)

امام صاحبؒ کی وفات شب عیدالفطر میں ہوئی، عمر باسٹھ سال تھی۔

عبدالواحد بن آدم طواویؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ اور صحابہ کو خواب میں ایک جگہ کھڑے ہوئے دیکھا، میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں، فرمایا کہ محمد بن اسماعیلؒ کا انتظار ہے، وہ کہتے ہیں کہ کئی روز کے بعد مجھے ان کی وفات کی خبر ملی، میں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ جس وقت میں نے خواب میں ان کو دیکھا تھا وہی وقت تھا جب ان کی وفات ہوئی تھی۔(۲)

تصنیفات

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات بیس سے زائد ہیں، جن میں "الأدب المفرد" "التاریخ الکبیر" "التاریخ الأوسط" "التاریخ الصغیر" مشہور ہیں، ان میں بھی "الأدب المفرد" کو قبول عام حاصل ہوا، اور اس کی شرحیں بھی لکھی گئیں، ترجمے بھی ہوئے، لیکن جس کتاب نے امام صاحب کو چار دانگ عالم میں شہرت عطا کی وہ ان کی مشہور زمانہ کتاب "صحیح بخاری" ہے، امام صاحب نے اس کا جو نام رکھا وہ درج ذیل ہے: "الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وسننه وأیامه"

لیکن آج اس کو صحیح بخاری کے نام سے جانتے ہیں۔

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۶۶-۴۶۷) اختصار کے ساتھ

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۶۸

صحیح بخاری

کتاب اللہ کے بعد دنیا میں جس کتاب کو سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی وہ یہی "صحیح بخاری" ہے، جس کو "أصح کتب بعد کتاب اللّٰہ" کہا گیا، اور اس کے مصنف کو امیر المؤمنین فی الحدیث کا لقب ملا، یہ وہ کتاب ہے جس کی صحت پر علماء متفق ہیں، امام صاحب موصوف نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے اس کا انتخاب کیا ہے، مگر یہ بات بھی واضح کر دی:

"لم أخرج فی هذا الکتاب الا صحیحا وما ترکت فی الصحیح اکثر"(۲)

(میں نے اس کتاب میں صرف صحیح روایات لی ہیں، اور جو صحیح روایات چھوڑی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں)

سبب تالیف

کتاب کی تالیف کا واقعہ خود امام صاحب کی زبانی سنئے وہ فرماتے ہیں:

''ہم اسحاق بن راہویہ کی مجلس میں تھے، ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ کاش تم میں سے کوئی ایسی محقق کتاب تیار کر دیتا جس میں اللہ کے

(۲)ھدی الساری ص:۹

رسول ﷺ کی صحیح، ثابت شدہ سنتوں کو بیان کر دیتا، امام صاحب فرماتے ہیں بس یہ بات میرے دل کو لگ گئی اور میں نے اس کتاب کی تصنیف کا کام شروع کر دیا"۔(۱)

اس سلسلہ کا ایک خواب بھی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب کے حوالے سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"میں نے خواب دیکھا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ میں ایک پنکھا ہے جس سے میں آپ ﷺ کے اوپر سے مکھیاں اڑا رہا ہوں، میں نے بعض تعبیر دینے والوں سے خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ تم اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب غلط باتوں کو دفع کرو گے"۔

تصنیف کتاب، امام صاحب کا اہتمام

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کی تصنیف اور احادیث کے انتخاب میں فنی دیدہ وری کے ساتھ غایت درجہ ادب واحترام کا اہتمام فرمایا، وہ خود فرماتے ہیں:

"ما صنفت في كتاب الصحيح حديثا الا اغتسلت قبل ذلك وصليت ركعتين"(۲)

(کتاب صحیح میں جب میں کوئی حدیث لکھتا تو اس سے پہلے غسل کرتا اور دو رکعتیں ادا کرتا)

مزید فرماتے ہیں:

"صنفت كتاب الجامع في المسجد الحرام و ما أدخلت فيه حديثا

---

(۱)هدى الساري، ص: ۹ (۲)هدى الساري، ص: ۶۸۲

(۳)هدى الساري، ص: ۶۸۳

حتی استخرت اللّٰہ تعالیٰ وصلیت رکعتین و تیقنت صحتہ"(۲)

(میں نے اپنی کتاب جامع مسجد حرام میں لکھی اور کوئی بھی حدیث میں اس میں لکھتا تھا تو اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا، دو رکعت نماز ادا کرتا اور جب اس کی صحت کا یقین ہو جاتا تو میں اس کو کتاب میں درج کرتا)

حدیث کے علاوہ تراجم ابواب لکھتے وقت بھی ان کے اہتمام کا حال یہ تھا کہ اس کے لیے بھی نماز ادا فرماتے اور یہ بھی منقول ہے کہ یہ سب تراجم امام صاحب نے مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر تحریر فرمائے ہیں۔

چھ لاکھ حدیثوں میں سے یہ کل سات ہزار سے کچھ زائد روایات کا انتخاب ہے، جو سولہ سال کی مدت میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔

امام صاحب نے کتاب مکمل ہونے کے بعد اپنے اساتذہ حضرت یحیٰ بن معین، حضرت علی بن المدینی اور حضرت امام احمد بن حنبل کی خدمت میں پیش کی اور ان سب حضرات نے اس کی تحسین فرمائی۔

امام صاحب فرماتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے گا، اور برکت عطا فرمائے گا۔(۱)

اللہ تعالیٰ امام صاحب کی امید کو کس طرح پورا فرمایا اس کو ہر وہ شخص جانتا ہے جس کو ذرا بھی علم حدیث سے شغف ہے۔

خصوصیات وامتیازات

اس پر علمائے امت کا اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب صحیح بخاری ہے، اس کے ساتھ یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ یہ کتاب مختلف علوم وفنون کی جامع ہے، امام صاحب نے ان تمام تصنیفات سے بھی خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جو ان سے پہلے

(۱) عمدۃ القاری، ۵/۱

تصنیف کی جاچکی تھیں، اور اپنے حسن ذوق سے ایک ایسا انتخاب امت کے سامنے پیش کر دیا جس کی اصحیت پر پوری امت متفق ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> "جاننا چاہیے کہ امام بخاری دو سو سال کے بعد نمودار ہوئے اور ان سے پیشتر علماء علوم دینیہ میں مختلف فنون کے اندر تصنیفیں کر چکے تھے، چنانچہ امام مالک اور سفیان ثوری نے فقہ میں تصنیف کی تھی، اور ابن جریج نے تفسیر میں اور ابو عبید نے غریب قرآن میں اور محمد بن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ نے سیر میں اور عبداللہ بن مبارک نے زہد و مواعظ میں اور کسائی نے بدء الخلق اور قصص انبیاء میں اور یحییٰ بن معین نے صحابہ و تابعین کے حالات میں نیز متعدد علماء کے فن رؤیا، ادب، طب، شمائل، اصول حدیث، اصول فقہ اور رد مبتدعین مثلاً: رد جہمیہ پر رسائل موجود تھے، امام بخاری نے ان تمام مدونہ علوم پر غور کیا اور جزئیات وکلیات کی تنقید کی پھر ان علوم کا ایک حصہ کہ جس کو انہوں نے بصراحت یا بدلالت ان صحیح حدیثوں میں پایا کہ جو بخاری کی شرط پر صحیح تھیں، اسے اپنی کتاب میں درج کیا تاکہ ان علوم کی بنیادی چیزوں کے متعلق مسلمانوں کے ہاتھ میں ایسی حجت قاطع موجود رہے کہ جس میں تشکیک کا دخل نہ ہو"۔(۱)

اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی اصحیت ہے، امام صاحب نے احادیث کے انتخاب کے لیے جو اصول وضوابط طے فرمائے وہ اتنے مضبوط و مستحکم ہیں کہ ان کے بعد کسی کمزور روایت کے کتاب کے اندر آجانے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، انہوں نے چھ لاکھ احادیث میں سے یہ انتخاب پیش کیا ہے اور ایک ایک حدیث کے اندراج میں جو اہتمام فرمایا اس کا ذکر پہلے گذر چکا، یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو جو

(۱) مکتوبات شاہ ولی اللہ، ص: ۱۰۷، ماخوذ از: ابن ماجہ اور علم حدیث: ۲۱۳

مقبولیت وشہرت حاصل ہوئی وہ کتاب اللہ کے بعد کسی کتاب کو حاصل نہ ہوسکی۔

ایک بڑے محدث امام ابوزید مرزوی فرماتے ہیں:

''میں مختلف کتابیں پڑھاتا تھا، ایک روز میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ فرما رہے ہیں کہ ابوزید! تم میری کتاب کب پڑھاؤ گے؟ میں نے دریافت کیا اللہ کے رسول! آپ کی کتاب کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جامع محمد بن اسماعیل، (صحیح بخاری)''۔

تراجم ابواب

صحیح بخاری کی تین ایسی خصوصیتیں ہیں جن میں کوئی اس کا ہمسر نہیں، ایک اصحیت کتاب، دوسری جامعیت اور تیسری خصوصیت تراجم ابواب کی ہے، اس کو امام صاحب نے مستقل ایک فن بنا دیا ہے، اسی لیے یہ بات مشہور ہے کہ "فقه البخاری فی تراجمه" (امام بخاری کا تفقہ اور فہم ان کے تراجم ابواب میں ہے) یہ تراجم علوم و فنون کا خزانہ ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''فن حدیث سے اشتغال رکھنے والوں کے نزدیک خواہ وہ درس و تدریس سے متعلق ہوں یا تصنیف و تالیف اور شرح و تحقیق میں مشغول ہوں، یہ بات طے شدہ ہے کہ اس کتاب میں سب سے زیادہ دقیق بحث ابواب و تراجم کی ہے، اور اس میں بڑی وسعتیں اور گہرائیاں ہیں، حتی کہ علماء و محدثین میں یہ مشہور ہے کہ بخاری کا تفقہ تراجم بخاری سے ظاہر ہے، اور یہ اس کتاب کا ایسا شعار بن گئے ہیں کہ ان سے یہ کتاب دوسری کتب صحاح میں (ان کی قدر و قیمت کے اعتراف کے ساتھ) ممتاز ہے، اور اس طرح سے یہ علماء کی ذہانت، ان کی علمی حس، غور و فکر میں گہرائی، فہم کتاب

پر غور، حل مشکلات اور مصنف کتاب کے اغراض و مقاصد تک رسائی کا
ایک ایسا پیمانہ بن گئے ہیں کہ جب تک کہ کوئی مصنف یا مدرس اس سلسلہ کی
اہم معلومات نہ رکھتا ہو، اور اس کے پاس کچھ ایسی توجیہات یا کہا جاسکتا
ہے کہ ایسی چابی نہ ہو جس کے ذریعہ وہ اس کے مقفل ابواب کو کھول سکے،
اور اس کی گہرائیوں میں جاسکے، اس وقت تک اس کی علمی مہارت، تدریسی
تفوق و امتیاز، شروح و حواشی اور اقوال ائمہ و محدثین پر عبور اور تدریس پر اس
کی مزاولت و ممارست کی گواہی نہیں دی جاسکتی ہے، اس لیے علماء نے ہر
زمانہ میں اس کا خاص اہتمام کیا اور اس میدان میں اپنی توانائیاں اور تمام تر
علمی صلاحیتیں نچوڑ کر رکھ دیں، کوئی ایسا ادیب یا لغوی ہمارے علم میں نہیں
کہ جس نے کسی شعر کی گہرائی تک جانے کے لیے، اس کی حقیقت تک
رسائی کے لیے اور شاعر کے مطالب و مفاہیم کے سمجھنے کے لیے اتنی خامہ
فرسائی کی ہو، جتنی صحیح بخاری کے شراح اور اس کا درس دینے والوں نے
مؤلف کتاب کے مقاصد و مطالب کو سمجھنے کے لیے کی۔

علمی تاریخوں سے طویل اشتغال کے باوجود ہم علماء و حکماء کی کسی
کتاب کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس فن کے ماہرین نے اس
قدر اس پر اپنی توجہ دی ہو، اس کی باریکیوں میں گئے ہوں، اس کی
مشکلات کو حل کیا ہو، حتی کہ بال کی کھال نکالی ہو، جتنا محدثین نے صحیح
بخاری کے ساتھ کیا، اور یہ صرف مصنف کتاب کے اخلاص، فن حدیث
کے لیے یکسو ہو جانے، اس کے لیے جہد مسلسل کرنے اور اپنے آپ کو فنا
کر دینے کا نتیجہ تھا، ان ابواب و تراجم میں غموض کی وجہ سے مصنف کتاب
کے مختلف النوع اور عمیق اغراض و مقاصد، ان کی ذہانت و ذکاوت، فہم
حدیث میں ان کا تعمق و وسعت اور کتاب کو زیادہ سے زیادہ جتنا ممکن

ہو سکے مفید بنانے کی خواہش وکوشش ہے، ان کی مثال اس شہد کی مکھی کی ہے جو پھول کے آخری قطرہ کو بھی چوس لیتی ہے، پھر لوگوں کے لیے اس کو صاف وشفاف شہد میں تبدیل کر دیتی ہے"۔(۱)

تراجم ابواب کی شرح وترجمانی کے لیے ائمہ وعلماء نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں، علماء متقدمین کے علاوہ ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نام اس سلسلہ میں نمایاں ہے، جن کی کتاب "رسالة شرح تراجم البخاری" مشہور ہے، ان کے علاوہ اخیر میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی کتاب "الأبواب والتراجم لصحیح البخاری" اس موضوع پر منفرد کتاب ہے۔

ائمہ کا اعتراف وتحسین

صحیح بخاری پر جتنا کام ہوا اور ہر دور میں علماء نے جس طرح اس کی خدمت کی اور اعتراف وتحسین کے کلمات کہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے، ذیل میں چند اہم ائمہ کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔

شارح بخاری امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جہاں تک اس کتاب کی تصنیف کا تعلق ہے تو یقیناً یہ تمام تالیف کردہ کتابوں میں صحیح ترین کتاب ہے اور ہر دور میں علماء نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے، وہ مختلف فنون کے اعتبار سے بھی اتنی حسین اور کتابوں سے فائق ہے، اور صحاح میں اس کو وہ خصوصیات حاصل ہیں جو کسی کو حاصل نہیں، اس کی خوبی اور اہمیت کی گواہی بڑے بڑے ائمہ اور فضلاء نے دی ہے تو اس کے فوائد شمار سے باہر ہیں اور لامحدود ہیں"۔

امام ذہبی تحریر فرماتے ہیں:

(۱) مطالعہ حدیث کے اصول ومبادی: ۳۷-۳۹

"جہاں تک صحیح بخاری کا تعلق ہے تو وہ اسلام کی کتابوں میں کتاب اللہ کے بعد سب سے اہم اور افضل ہے اور وہ اس دور میں لوگوں کے لیے سند کے اعتبار سے سب سے بلند ہے"۔

امام نسائی فرماتے ہیں کہ:

"ان کتابوں میں سب سے بہتر بخاری کی کتاب ہے"۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

"صحیح بخاری کی مقبولیت وصحت پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے"۔

امام ابن قیم کے الفاظ یہ ہیں:

"قرآن مجید کے بعد آسمان تلے بخاری ومسلم سے زیادہ صحیح اور کوئی کتاب نہیں"۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

"محدثین کا اتفاق ہے کہ صحیحین میں جو بھی روایات ہیں وہ متصل ہیں، مرفوع ہیں اور قطعی طور پر صحیح ہیں، اور ان دونوں کتابوں کی سند ان کے مصنفین تک تواتر سے ثابت ہے، اور جو بھی ان کی اہمیت کو کم کرے تو وہ مبتدع ہے اور مسلمانوں کے راستہ سے ہٹا ہوا ہے"۔

تلقی بالقبول

کتاب کی اہمیت، ضرورت، افادیت کے پیش نظر علماء نے ہمیشہ ہر لحاظ سے اس کتاب کے ساتھ اہتمام کیا، درس کے اعتبار سے، شروح وحواشی کے اعتبار سے، یہاں تک کہ یہ اہتمام بھی رہا کہ مصیبتوں اور آفات کے وقت ختم بخاری کا اہتمام کیا جاتا تھا اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ فضل کا معاملہ فرماتا تھا، اس سلسلہ کے متعدد واقعات موجود ہیں۔

شروح وحواشی

صحیح بخاری کی جتنی شرحیں لکھی گئیں تھیں اس میں کوئی اس کا شریک نہیں، عزیز گرامی مولوی اسامہ امین ندوی سلمہ نے اس کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا، اور شمار کی کوشش کی تو متعلقات بخاری کی تعداد سات سو سے تجاوز کر گئی جس میں صرف شروح کی تعداد تین سو سے زائد ہے۔

ان تمام شرحات میں جن دو شرحوں کو قبول عام حاصل ہوا ان میں سرفہرست حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ''فتح الباری'' ہے اور دوسری ممتاز ترین شرح علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کی ''عمدۃ القاری'' ہے، دونوں کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں، فنی لحاظ سے حافظ صاحب کی شرح ممتاز ہے، اور حل لغات اور حسن ترتیب کے لحاظ سے ''عمدۃ القاری'' لاجواب ہے۔

امام مسلمؒ

ولادت اور نام ونسب

محدثین کے سرخیل، جلیل القدر حافظ حدیث، حدیث کی صحیح ترین کتابوں میں دوسری کتاب کے مصنف امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ علیہ مقبول ترین افراد امت میں بھی ممتاز مقام کے حامل ہیں، کنیت ابوالحسین اور لقب عساکر الدین ہے، قبیلہ قشیر کی طرف نسبت ولاء حاصل ہے، غالباً امام موصوف کے پردادا ورد بن کوشاذ قبیلہ قشیر کے کسی مخلص وباتوفیق فرد کے ہاتھ پر ایمان لائے اسی لیے "قشیری" کہلائے، یہ اسلام ہی کا نشان امتیاز ہے کہ ایک عجم کا رہنے والا خالص عربی النسل خاندان کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہے تو اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور یہ بھی اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نے عجمی خاندان میں پیدا ہونے والے ایک فرد کو امامت کے اس مقام تک پہنچا دیا کہ بڑے بڑے ائمہ اس کی علمی عظمت وشان کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہیں۔

۲۰۲ھ میں خراسان کے مشہور شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے، خراسان کی سرزمین سے علم حدیث کے دو ایسے آفتاب وماہتاب طلوع ہوئے جن کی ضوفشانی سے قیامت تک ساری دنیا روشنی حاصل کرتی رہے گی، ایک امام بخاریؒ، دوسرے امام مسلمؒ۔

تحصیل علم اور اس کے لیے اسفار

نیشاپور خراسان کا وہ مشہور شہر ہے جس کو علامہ یاقوت حموی نے "معدن الفضلاء ومنبع العلماء" جیسے القاب سے یاد کیا ہے اور یہ لکھا ہے: "قد خرج منها من أئمة العلم من لا يحصى" (۱) (وہاں سے بے شمار ائمہ علم نکلے)

علامہ تاج الدین سبکی تحریر فرماتے ہیں: "قد كانت نيشابور من أجل البلاد وأعظمها لم يكن بعد بغداد مثلها" (۲) (نیشاپور سب سے عظیم اور بڑا شہر تھا، بغداد کے بعد اس کی نظیر نہ تھی)

امام مسلم نے آنکھیں کھولیں تو نیشاپور مرکز علم بنا ہوا تھا، امام اسحاق بن راہویہ، امام یحییٰ بن یحییٰ تمیمی اور امام ذہبی جیسے اساطین علم مسند درس کے لیے باعث زینت تھے، امام مسلمؒ نے ان حضرات سے کسب فیض کیا، ۲۲۰ھ میں امام موصوف نے حج کا سفر کیا، اور اسی سے ان کی رحلت علمیہ کا آغاز ہوتا ہے، مکہ مکرمہ میں انہوں نے امام قعنبی سے استفادہ کیا، اور دوسرے حضرات سے بھی حدیثیں سنیں پھر کوفہ تشریف لائے، شیخ احمد بن یونس اور ایک جماعت مشائخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، پھر وطن تشریف لائے اور وہاں کے کبار ائمہ سے تکمیل کی، پھر ۲۳۰ھ سے پہلے پہلے دوبارہ اسفار شروع کئے اور حجاز، عراق، شام، مصر اور دوسرے ملکوں اور شہروں کے اساتذہ حدیث سے استفادہ کیا، ان کے مشائخ میں امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام ابو حاتم رازی، ابوبکر بن ابی شیبہ، قتیبہ بن سعید بلخی، محمد بن مثنیٰ، محمد بن بشار، ابو مصعب زہری سرفہرست ہیں، مشائخ کی تعداد دو سو سے متجاوز ہے۔

امام بخاری سے استفادہ

امام مسلم کے اساتذہ میں امام بخاریؒ کا نام نامی بھی شامل ہے، جب امام

(۱) معجم البلدان فی ذکر نیشابور (۲) طبقات الشافعیة الکبری: ۱/۱۷۳

بخاریؒ نیشاپور تشریف لائے تو امام مسلمؒ نے ان سے بھرپور استفادہ کیا اور مستقل ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے، جب امام ذہلی کا امام بخاری سے ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا تو امام مسلم نے امام بخاری کا ساتھ دیا، اسی مسئلہ کی وجہ سے امام بخاریؒ کو نیشاپور چھوڑنا پڑا، امام مسلم امام ذہلی سے بھی استفادہ کرتے رہے، یہاں تک ایک دن امام ذہلی نے مجلس درس میں اعلان کردیا کہ جو تلفظ بالقرآن کو مخلوق سمجھنے میں بخاری کی رائے رکھتا ہو وہ ہم سے روایات نہ کرے، امام مسلم اسی وقت اٹھے اپنی چادر سر پہ رکھی اور چل دیئے، جتنی روایتیں اب تک انہوں نے امام ذہلی کی لکھی تھیں جا کر وہ سب خزانہ ایک اونٹ پر لاد کر امام ذہلی کو واپس کردیا۔ (۱)

امام بخاری سے ان کے تعلق کا حال یہ تھا کہ ایک مرتبہ امام مسلم، امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا کہ اے استاذ الاساتذہ، سید المحدثین، علل حدیث کے طبیب! اجازت دیجیے کہ میں آپ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کروں، حافظ خطیب بغدادی نے اپنی سند سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ (۲)

امام بخاریؒ سے امام مسلم نے اصول حدیث کے بعض مسائل میں اختلاف بھی کیا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

تجارت

امام مسلمؒ نے اپنی علمی مشغولیت کے ساتھ تجارت بھی کی، نیشاپور کے ایک محلہ خان محمش میں ان کا کاروبار تھا اور اس میں انہوں نے ترقی بھی کی، ابن العماد حنبلی نے لکھا ہے "وله الأملاك وثروة" (۳) (وہ صاحب جائداد و صاحب مال تھے)

---

(۱) سیر أعلام النبلاء ۱۲/۵۷۲، امام ذہبی و دیگر مصنفین نے یہ واقعہ اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔
(۲) تاریخ بغداد ۱۳/۱۰۲، تاریخ دمشق: ۳۱/۶۸ (۳) شذرات الذھب ۲-۲۹۷

علم میں انہماک

علم میں انہماک کا حال یہ تھا کہ مطالعہ اور تصنیف کے وقت عام طور پر پوری طرح یکسوئی اختیار فرما لیتے، اس دوران لوگوں سے ملنا پسند نہ تھا، اس کا نتیجہ تھا کہ لاکھوں حدیثیں نوک زبان تھیں، ایک مرتبہ امام صاحب کے لیے مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی، ایک حدیث کا ذکر آیا جو امام صاحب کے علم میں نہیں تھی، اپنے گھر تشریف لے گئے، رات کا وقت تھا چراغ جلایا اور فرمایا اب کوئی یہاں نہ آئے، لوگوں نے عرض کیا کھجور کی یہ ٹوکری ہدیہ میں آئی ہے، فرمایا: اندر رکھ دو، بس رات بھر حدیث کی تفتیش میں لگے رہے اور انہماک کا حال یہ تھا کہ ایک ایک کھجور کھاتے رہے اور یہ اندازہ ہی نہ کر سکے کہ کتنی کھجوریں کھالیں، صبح ہوئی تو حدیث مل چکی تھی اور ساتھ ساتھ کھجوریں بھی ختم ہو گئی تھیں، حاکم نیشاپور نے اسی واقعہ کو امام کی وفات کا سبب قرار دیا ہے۔(۱)

وفات

آپ کی وفات ۲۵/ رجب المرجب ۲۶۱ھ یکشنبہ کے دن ہوئی، دوشنبہ کے روز نیشاپور کے باہر نصر آباد میں تدفین ہوئی۔ (۲)

ائمہ کا خراج تحسین

ائمہ متقدمین نے امام موصوف کی علمی قدر و منزلت کا اعتراف کیا ہے، خود ان کے معاصر ائمہ اور مشائخ نے بلند الفاظ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

امام ابوزرعہ رازی (۲۶۴ھ) اور امام ابوحاتم رازی (۲۷۷ھ) جن میں اول الذکر امام صاحب کے مشائخ میں سے ہیں اور ثانی الذکر امام بخاری کے طبقہ کے شیخ

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۲ - ۵٦٤ (۲) وفیات الأعیان: - ۱۳٦

ہیں، دونوں حضرات امام مسلم کو صحیح حدیث کے علم میں دوسرے معاصر مشائخ پر فوقیت دیتے تھے۔(۱)

امام اسحاق بن راہویہ (۲۳۸ھ) جو اپنے زمانے کے بڑے امام ہیں، امام احمد بن حنبل نے بھی ان سے روایات نقل کی ہیں، امام مسلم کے کبار مشائخ میں سے ہیں، انہوں نے امام صاحب کے بارے میں فرمایا تھا: ان جیسا کون ہوگا۔ (۲)

حافظ مسلمہ بن قاسم (۳۵۳ھ) تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں: "مسلم جلیل القدر ثقة من أئمة المحدثین" (مسلم بلند مرتبہ ہیں، ثقہ ہیں، ائمہ محدثین میں سے ہیں)

امام ابو عبداللہ حاکم نیشاپور (۴۰۵ھ) کے والد نے امام مسلم کی زیارت کی تھی، وہ فرماتے تھے کہ "میں نے امام صاحب کو خان محمش میں حدیث بیان کرتے سنا ہے" (۳) خود امام حاکم نیشاپوری فرماتے تھے "اہل حجاز، اہل عراق، اہل شام سب کے سب علم حدیث میں اہل خراسان کے امتیاز کو تسلیم کرتے ہیں، امام بخاری، امام مسلم کے اس فن میں تفوق اور ان کے منفرد مقام کی وجہ سے" (۴)

محمد بن بشار جو خود امام موصوف کے مشائخ میں سے ہیں فرماتے تھے: "حفاظ الدنیا أربعة أبو زرعة بالری ومسلم بنیشابور وعبداللہ الدارمی بسمرقند ومحمد بن اسماعیل ببخاری" (۵) (حفاظ حدیث دنیا میں چار ہیں، رے میں ابوزرعہ، نیشاپور میں مسلم، سمرقند میں دارمی اور بخارا میں محمد بن اسماعیل بخاری)

اللہ تعالیٰ نے امام صاحب کو وجاہت ظاہری بھی عطا فرمائی تھی، حاکم نیشاپوری، ابو عبدالرحمٰن سلمی سے نقل کرتے ہیں، وہ لکھتے تھے:

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۲ - ۵٦۳

(۲) تاریخ بغداد، سیر أعلام النبلاء، اکمال المعلم

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۱۲ - ۵۷۰ (٤) اکمال المعلم: ۱ - ۸۰

(۵) سیر أعلام النبلاء: ۱۲ - ۵٦٤، تاریخ بغداد: ۱۲ - ۱٦

"میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جو صاحب جمال بھی تھے اور لباس بھی ان کا بہتر تھا، ایک اچھی چادر ان پر پڑی ہوئی تھی اور عمامہ کا کنارہ وہ دونوں مونڈھوں کے درمیان ڈالے ہوئے تھے، بتایا گیا کہ یہ مسلم ہیں، اسی اثنا میں حکومت کے اہل کار پہنچ گئے اور کہنے لگے کہ امیر المومنین کا حکم ہے کہ امام مسلم امامت فرمائیں گے لوگوں نے ان کو آگے بڑھایا انہوں نے تکبیر کہی اور لوگوں کو نماز پڑھائی"۔(۱)

صحیح مسلم کے شارح قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) شرح کے مقدمہ میں امام صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں: "أحد أئمة المسلمين وحفاظ الحديث ومتقن المصنفين، أثنى عليه غير واحد من الأئمة المتقدمين و أجمعوا على امامته وتقديمه وصحة حديثه وثقته وقبول كتابه" (۲) (ائمہ مسلمین، حفاظ حدیث اور پختہ کار مصنفین میں سے ایک ہیں، ائمہ متقدمین میں سے متعدد نے ان کے لیے کلمات تحسین فرمائے ہیں، ان کی امامت، تفوق، ان کی حدیثوں کی صحت اور ان کی ثقاہت اور کتاب کی قبولیت پر سب کا اتفاق ہے)

امام صاحب کی عظمت کے لیے یہی کیا کم ہے کہ حدیث کی صحیح ترین دو کتابوں میں سے دوسری کتاب کے وہ مصنف اور جامع ہیں، دنیا کے خطہ خطہ میں یہ کتاب پڑھی اور پڑھائی جارہی ہے، ہزاروں کتابیں اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں لکھی گئیں لیکن جو قبولیت امام بخاری کی صحیح اور امام مسلم کی صحیح کو حاصل ہوئی، کوئی کتاب اس قبولیت عام میں ان کے برابر نہیں۔

تصنیفات

امام مسلمؒ نے صحیح کے علاوہ تاریخ الرجال، طبقات اور حدیث کے بعض دوسرے

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۲ - ۵۶۶ (۲) إكمال المعلم: ۱/۷۹

موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں، جن کتابوں کا علم ہوسکا ذیل میں ان کی فہرست دی جارہی ہے: (۱) كتاب تمييز الكنى والأسماء (۲) كتاب الطبقات (۳) كتاب الوحدان (٤) كتاب العلل (٥) كتاب شيوخ مالك وسفيان وشعبة (٦) كتاب رجال عروة بن زبير (۷) كتاب التمييز (۸) كتاب الأفراد في ذكر جماعة من الصحابة والتابعين ليس لهم راو الا واحد من الثقات (۹) أوهام المحدثين (۱۰) الجامع على الأبواب (۱۱) المسند الكبير على الرجال (۱۲) كتاب الأقران (۱۳) كتاب عمرو بن شعيب (١٤) كتاب سوالات أحمد بن حنبل (۱٥) كتاب المخضرمين (١٦) كتاب أولاد الصحابة (۱۷) كتاب أفراد الشاميين (۱۸) كتاب الانتفاع باهب السباع.

یہ کتابیں دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں، کتاب التمییز ریاض سے چھپ چکی ہے، اور بہت سی کتابیں وہ ہیں جن کے صرف نام ملتے ہیں، دشمنان اسلام کی ظالمانہ کاروائیوں میں دنیا علم کے جس خزانہ سے محروم ہوئی اس میں امام صاحب کی بھی متعدد کتابیں شامل ہیں، لیکن جس کتاب نے امام صاحب کو زندہ جاوید کردیا اور دنیائے اسلام میں ان کو شہرت وقبولیت بخشی وہ ان کی کتاب ''صحیح'' ہے۔

صحیح مسلم

امام مسلم نے تین لاکھ ان روایات سے اپنی کتاب کے لیے حدیثوں کا انتخاب کیا ہے جو انہوں نے براہ راست اپنے شیوخ سے لی تھیں (۱)، پھر انہوں نے صرف اپنی ذاتی رائے پر بس نہیں کیا بلکہ مزید احتیاط کے پیش نظر وہی حدیثیں نقل کیں جن کی صحت پر اور مشائخ وقت کا بھی اتفاق تھا۔ خود وہ فرماتے ہیں: "لیس کل شیء عندی صحیح وضعته ههنا انما وضعت ههنا ما أجمعوا علیه" (۲) (ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح تھی اس کو میں نے یہاں درج نہیں کیا، میں نے تو یہاں صرف ان حدیثوں کو درج کیا ہے جن کی صحت پر مشائخ وقت کا اجماع ہے)

مولانا عبدالرشید نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"شیخ ابن الصلاح وغیرہ نے اجماع سے اجماع عام سمجھا، اس لیے ان کو امام مسلم کے اس دعوے کی صحت کے متعلق سخت اشکال ہوا، لیکن امام مسلم کی مراد اجماع سے اجماع عام نہیں، بلکہ اس دور کے بعض خاص مشہور شیوخ وقت کا اجماع ہے، چنانچہ علامہ بلقینی نے اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، عثمان بن ابی شیبہ اور

(۱) تذکرۃ الحفاظ فی ترجمۃ أبو علی (۲) صحیح مسلم، باب التشهد فی الصلاۃ

سعید بن منصور خراسانی ان چار ائمہ حدیث کے نام گنا کر لکھا ہے کہ
امام مسلم کی مراد اجماع سے ان حضرات کا اجماع ہے"۔(۱)

کتاب اگرچہ ابواب وموضوعات کے اعتبار سے نہایت مرتب ہے، لیکن امام صاحب نے شاید غایت درجہ احتیاط کی بنا پر احادیث صحیح کے درمیان کچھ بھی لکھنا گوارہ نہ کیا، پوری کتاب میں صرف صحیح احادیث ہیں، تراجم ابواب بعد میں محدثین نے قائم فرمائے ہیں، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس لیے ان میں کہیں ناموزونیت نظر آتی ہے۔

امام ابوزرعہ رازی کی خدمت میں

امام ابوزرعہ علل حدیث اور فن جرح وتعدیل کے بڑے امام ہیں، امام بخاری کے ہمسر سمجھے جاتے ہیں، امام مسلم کے مشائخ میں سے ہیں، کتاب مکمل کر کے اما مسلم نے اپنے شیخ کی خدمت میں پیش کی اور جن روایات کے بارے میں بھی امام ابوزرعہ کا کلام ہوا وہ کتاب سے خارج کر دی، اس طرح تنقیح و تنقیح کے بعد احادیث صحیحہ کا یہ منتخب مجموعہ تیار ہوا، جس کو آج دنیا "صحیح مسلم" کے نام سے جانتی ہے، یہ ابوزرعہ رازی وہی بزرگ ہیں جن کے انتقال کا عجیب وغریب واقعہ رجال وتاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔

ابوجعفر تستری کہتے ہیں کہ ہم جاں کنی کے وقت ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت علماء وائمہ کی ایک جماعت وہاں موجود تھی، ان لوگوں کو تلقین میت کی حدیث کا خیال آیا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: "لقنو اموتاکم لااله الا الله " (۲) (اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو) مگر کسی کو امام موصوف کو تلقین کی ہمت نہ ہوتی تھی، آخر سب نے سوچ کر یہ راہ نکالی کہ تلقین کی حدیث کا مذاکرہ کرنا چاہیے، چنانچہ محمد بن مسلم نے ابتدا کی "حدثنا الضحاك بن مخلد عن

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۲۱۵، بحوالہ تدریب الراوی: ۲۸ (۲) صحیح مسلم: ۲۱۶۲

عبدالحمید بن جعفر" (ہم سے ضحاک ابن مخلد نے، انہوں نے عبدالحمید بن جعفر سے روایت کی ہے) اتنا کہہ کر وہ رک گئے بقیہ حضرات بھی خاموش ہو گئے، اس پر امام ابوزرعہ نے اسی جاں کنی کے عالم میں روایت بیان کرنی شروع کی: "حدثنا بندار حدثنا أبو عاصم حدثنا عبدالحمید بن جعفر عن صالح عن کثیر بن مرة الحضرمی عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله ﷺ من کان آخر کلامه لااله الا الله" (مجھ سے بندار نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوعاصم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے عبدالحمید بن جعفر نے بیان کیا، وہ صالح سے اور وہ کثیر بن مرہ سے اور وہ حضرت معاذ بن جبل سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کا آخری کلام لاالہ الا اللہ ہو) بس اسی قدر کہہ سکے تھے کہ روح پرواز کر گئی، اس کے آگے ہے، "دخل الجنة" (وہ جنت میں داخل ہو گیا) یہ جملہ ان کی زبان سے ادا نہ ہو سکا اور اس کی عملی شکل سامنے آ گئی۔(۱)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

امام موصوف نے انتخاب حدیث کے لیے جو ترتیب قائم فرمائی تھی وہ دو طرح کے لوگوں کی روایات تھیں، ایک طبقہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کا تھا، دوسرا طبقہ متوسطین کا تھا، اس سے بعض حضرات نے یہ سمجھ لیا کہ امام موصوف کا ارادہ دونوں طبقوں کی روایات کو الگ الگ جمع کرنے کا تھا اور وہ صرف پہلے ہی طبقہ کی روایات جمع کر سکے تھے اور ایک ہی کتاب مرتب ہو سکی تھی کہ ان کی وفات ہو گئی اور دوسرے طبقہ کے لوگوں کی روایات جمع کرنے کا ان کو موقع نہیں مل سکا، جب کہ امام صاحب موصوف کی عبارت سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انتخاب حدیث میں اولاً انہوں نے طبقہ اولیٰ کی روایات لی ہیں، پھر اس کے ذیل میں طبقہ ثانیہ کی روایات بھی نقل کی ہیں،

---

(۱) تذکرة الحفاظ: ۱۴۶/۲

اس کے لیے مستقل کسی کتاب کی تصنیف کا ارادہ ان کا نہیں تھا۔

خود مصنف کی عبارت درج ذیل ہے، جو وہ اپنی کتاب کے مقدمہ کے آغاز میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"انا نعمد الی جملة ما أسند من الأخبار عن رسول الله ﷺ فنقسمها علی ثلاثة أقسام وثلاث طبقات من الناس...... فأما القسم الأول فأما نتوخی أن نقدم الأخبار التی هی أسلم من العیوب من غیرها وأنقیٰ من أن یکون ناقلوها أهل استقامة فی الحدیث واتقان لما نقلوا فاذا نحن تقصینا أخبار هذا الصنف من الناس أتبعناها أخباراً یقع فی أسانیدها بعض من لیس بالموصوف بالحفظ والاتقان کالصنف المقدم قبله، علی أنهم وان کانوا فیما وصفنا دونهم کان اسم الستر والصدق وتعاطی العلم یشملهم، فأما ما کان فیها عن قوم هم عند أهل الحدیث متهمون أو عندالأکثر فیهم فلسنا نتشاغل بتخریج حدیثهم"(۱)

(ہم نے آنحضرت ﷺ سے منقول روایت کا قصد کیا تو ہم نے ان کی تین قسمیں کیں اور لوگوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا، جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے تو ہم نے یہ چاہا کہ پہلے وہ حدیثیں پیش کریں جو دوسری حدیثوں کے مقابل عیوب سے محفوظ ہیں اور ہر طرح سے پاک ہیں اس طور پر کہ اس کے رواۃ جو بھی نقل کرتے ہیں وہ پوری طرح ٹھیک ٹھیک پختگی کے ساتھ نقل کرتے ہیں، جب ہم نے اس قسم کی روایتیں نقل کرلیں تو ذیل میں ہم نے وہ روایتیں نقل کیں جن کی

(۱)مقدمة مسلم،ص:۲

سندوں میں بعض ایسے لوگ بھی آگئے ہیں جو حفظ واتقان میں پہلی قسم
کے رواۃ کی طرح نہیں ہیں،ان سے کم مرتبہ ہیں، ہاں عدالت،
صدق اور علم سے اشتغال کی صفت ان پر بھی صادق آتی ہے،ہمیں وہ
روایتیں جن کے ناقلین تمام محدثین یا اکثر محدثین کے یہاں متہم
ہیں تو ہم نے ان کی روایتیں نقل کرنے میں اپنا وقت صرف نہیں کیا)

امام مسلم کی اس وضاحت سے بات بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ ان کا ارادہ الگ تصنیف کا نہیں تھا،انہوں نے اسی کتاب میں دو طرح کے رواۃ کی روایات لی ہیں، ایک قسم اول کے رواۃ ہیں اور اکثر روایتیں ان ہی حضرات کی ہیں،دوسرے نمبر پر ان لوگوں کی روایات ہیں جو دوسرے طبقہ کے رواۃ ہیں لیکن ان کی روایات امام صاحب نے ضمناً درج کی ہیں۔

صحیح مسلم کے مشہور شارح قاضی عیاض نے بھی شرح کی تمہید میں اس کی پوری طرح وضاحت فرمادی ہے۔(۱)

کتاب کی خصوصیات

امام مسلمؒ نے پندرہ سال کی محنت شاقہ سے یہ کتاب تیار فرمائی،خود بھی ایک ایک حدیث کو جانچا پرکھا اور اپنے وقت کے امام ابوزرعہ رازی کی خدمت میں پیش کر کے جو کمی رہ گئی تھی وہ بھی دور کردی،وہ خود اپنی تصنیف کے متعلق فرماتے ہیں:"ما وضعت شیئا فی ھذا المسند الا بحجۃ وما أسقطت منھا شیئاً الا بحجۃ" (۲) (میں نے اس مسند میں جو بھی شامل کیا ہے وہ دلیل کے ساتھ کیا اور جو نہیں کیا وہ بھی دلیل کے ساتھ نہیں کیا)

صحت روایات میں یہ کتاب دنیا کے کتب خانوں میں دوسرا درجہ رکھتی ہے اگر

(۱) اکمال المعلم،ص: ۸٦ (۲) اکمال المعلم،ص: ۸۰

چہ بعض علماء نے اس کو نمبر ایک پر رکھا ہے، لیکن صحیح یہی ہے، صحت میں صحیح بخاری سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں، البتہ موضوعات کے اعتبار سے روایات کے جمع و ترتیب میں اس کتاب کا ثانی نہیں، اس طرح یہ کتاب خالص احادیث صحیحہ کا ایسا مرتب مجموعہ بن گئی ہے کہ شاید ہی کوئی دوسری کتاب اس امتیاز میں اس کی شریک ہو، صحت حدیث کے ساتھ حسن ترتیب میں بلاشبہ یہ کتاب فرد فرید ہے، اور شاید یہی وجہ ہے کہ بعض ائمہ نے اس کتاب کو صحیح بخاری پر بھی ترجیح دی ہے۔

ائمہ کا اعتراف

حافظ ابوعلی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ بہت مشہور ہے "ما تحت أديم السماء أصح من كتاب مسلم في الحديث"(۱) (زیر آسمان کوئی کتاب بھی مسلم کی کتاب سے زیادہ صحیح نہیں ہے)

حافظ صاحب موصوف کی یہ رائے عام علماء وائمہ کی رائے کے خلاف ہے، اس لیے کہ تقریباً تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ صحیح ترین کتاب بخاری کی صحیح ہے اس کے بعد امام مسلم کی صحیح کا درجہ ہے، اس لیے اکثر حضرات نے اس کو حافظ ابوعلی کی ذاتی رائے قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے اس کو حسن ترتیب پر محمول کیا ہے۔

حافظ مسلمہ بن قاسم فرماتے ہیں: "لم يضع أحد مثله" (۲) (کسی نے ایسی تصنیف نہیں کی) اور اس میں کیا شبہ ہے، صحت کے ساتھ حسن ترتیب میں یہ کتاب لاثانی ہے۔

اسی لیے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"حصل لمسلم في كتابه حظ عظيم مفرط لم يحصل لأحد مثله بحيث أن بعض الناس للناس كان يفضله على صحيح حديث اسماعيل،

(۱) تاریخ بغداد: ۱۳-۱۰۱، المعلم: ۸۰

(۲) المعلم: ۸۰، مقدمة فتح الباري فصل ثاني

وذلك لما اختص به من جمع الطرق وجودة السياق والمحافظة على أداء الألفاظ كما هي من غير تقطيع ولا رواية بمعنى"(۱) (مسلم کو اپنی کتاب میں جو عظیم مقام حاصل ہوا وہ کسی کو حاصل نہ ہوا، اس طور پر کہ بعض لوگ اس کو محمد بن اسماعیل (بخاری) کی صحیح پر بھی فوقیت دیتے ہیں اور یہ مقام اس کی اس خصوصیت کی بناء پر ہے کہ انہوں نے اسانید یکجا کر دی ہیں، ترتیب بہت اعلیٰ رکھی ہے، روایتیں جیسی منقول تھیں ویسے ہی بیان کر دی ہیں، نہ ان کے ٹکڑے کیے اور نہ الفاظ میں فرق کیا)

کتاب میں مذکورہ بالا خصوصیات کی بناء پر حضرت امام موصوف نے فرمایا تھا:

"لو أن أهل الحديث يكتبون مائتي سنة الحديث فمدارهم على هذا المسند الصحيح" (محدثین اگر دو سو سال تک بھی حدیثیں لکھتے رہیں جب بھی ان کا دار و مدار اسی مسند صحیح پر رہے گا)

امام صاحب نے جس اخلاص کے ساتھ یہ عمل انجام دیا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دو سو سال کیا ساڑھے گیارہ سو سال گذرنے کو آئے مگر کتاب کی مقبولیت اسی طرح ہے۔

(۱) تهذيب التهذيب: ۱۰-۱۲۷، اکمال المعلم: ۱/۷۸

امام ترمذیؒ

صحیحین کے بعد صحاح ستہ میں جس کتاب کو سب سے زیادہ مقبولیت ملی وہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی جامع ہے جو "سنن ترمذی" کے نام سے زیادہ مشہور ہے، درس حدیث کے حلقوں میں جو پذیرائی اس کتاب کی ہوئی وہ شاید ہی کسی کتاب کی ہوئی ہو، اس میں بڑا حصہ اس کتاب کی جامعیت، مضامین کے تنوع، اور بہترین ترتیب کا ہے، پھر اس کتاب سے استفادہ بھی بہت آسان ہے یہی وجہ ہے کہ صحاح ستہ میں عام طور پر سب سے پہلے اسی کتاب کا درس ہوتا ہے، اس کے بعد صحاح کی اور کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

ترمذ

دریائے جیحون کے کنارے "ترمذ" ایک مشہور شہر تھا، جہاں بڑے بڑے علماء و محدثین پیدا ہوئے، اسی لیے اس کو "مدینة الرجال" بھی کہا جاتا تھا، اس شہر سے چند میل کے فاصلہ پر "بوغ" نامی ایک قصبہ آباد تھا، وہی امام ترمذیؒ کا وطن ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کو "بوغی" بھی کہا جاتا ہے لیکن "ترمذ" کی شہرت کی وجہ سے اس کی نسبت ہی غالب رہی اور دنیا امام صاحبؒ کو "ترمذی" کی نسبت سے پہچانتی ہے، یہاں یہ واضح رہنا چاہیے کہ "ترمذی" کے نام سے تین بزرگ معروف ہیں: ایک ابوالحسین محمد بن الحسین ترمذی، یہ جلیل القدر محدثین میں سے ہیں، اور بخاری میں ان کی ایک روایت

موجود ہے، یہ ”ترمذی کبیر“ کے نام سے مشہور ہیں، دوسرے امام حکیم ترمذی جو صوفی، اور مؤذن تھے، ان کی کتاب ”نوادر الاصول“ مشہور ہے لیکن زیادہ تر ضعیف حدیثوں پر مشتمل ہے، لیکن ان میں سب سے مشہور و مقبول یہی امام ابو عیسیٰ ترمذی ہیں جو صاحب سنن ہیں اور جن کا تذکرہ مذکورہ سطور میں پیش نظر ہے۔

ولادت اور نام ونسب

امام صاحب موصوف قصبہ ”بوغ“ میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے، بعض مورخین کی رائے یہ ہے کہ وہ مادر زاد نابینا تھے، مگر محققین کا کہنا ہے کہ ایک عرصہ کے بعد جب کہ وہ بڑھاپے کی منزل کو پہنچ رہے تھے، کسی مرض کی وجہ سے ان کی بینائی جاتی رہی، نام محمد، کنیت ابو عیسیٰ، والد کا نام عیسیٰ بن سورۃ تھا۔

حصول علم اور اس کے لیے اسفار

امام صاحبؒ نے حسب دستور پہلے اپنے وطن کے علماء و مشائخ سے استفادہ کیا، پھر حجاز، عراق اور خراسان کا سفر کیا اور وہاں کے مشائخ سے حدیثیں سنیں، ان کے مشائخ کی تعداد سیکڑوں میں ہے، ان میں مندرجہ ذیل حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:-

امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، احمد بن منیع، اسحاق بن راہویہ، ابومصعب زہری، قتیبہ بن سعید رحمہم اللہ وغیرہ۔

امام صاحب کی ذہانت، قوت حفظ اور شوق و طلب کی وجہ سے اساتذہ ان کی قدر کرتے تھے، خاص طور پر امام بخاریؒ کا ان سے خاص تعلق تھا، یہاں تک کہ امام بخاریؒ ان سے فرماتے تھے: ”ما انتفعتُ بكَ أكثرَ ممّا انتفعتَ بي“ (جتنا تم نے مجھ سے فائدہ اٹھایا اس سے زیادہ میں نے تم سے اٹھایا)

یہ بھی امام موصوف کے لیے فخر کی بات ہے کہ امام بخاریؒ نے استاذ ہونے کے

باوجود بعض روایات امام ترمذی سے نقل کی ہیں، اس کی صراحت خود امام ترمذی نے فرمائی ہے کہ جب میں نے اپنے استاذ کے سامنے یہ حدیث سنائی: "یاعلي لا یحل أن یجنب في المسجد غیري وغیرك" تو یہ روایت امام صاحب کے لئے نئی تھی، اور انھوں نے مجھ سے یہ روایت سنی، سو ایک جگہ اور بھی امام ترمذی نے یہ صراحت کی ہے۔

قوت حفظ

شروع ہی سے امام صاحب کا حافظہ بہت قوی تھا، جو روایتیں سن لیتے یاد ہو جاتیں، امام ذہبیؒ ایسا ہی ایک عجیب واقعہ خود ان ہی سے سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے تھے: "میں مکہ کے راستہ میں تھا، میں نے ایک شیخ کی احادیث کے جزء لکھے تھے، وہ شیخ مجھے مل گئے تو میں نے ان سے احادیث سنانے کی فرمائش کی تاکہ میں ان اجزاء کا مقابلہ کرلوں، میں نے اپنا سامان جاکر دیکھا تو وہ اجزاء مجھے نہ ملے، ان کی جگہ سادے کاغذ موجود تھے، میں وہ لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، شیخ نے حدیثیں سنانی شروع کیں، اچانک ان کی نگاہ سادے کاغذات پر پڑی تو فرمایا: تمہیں شرم نہیں آتی؟! تو میں نے پورا قصہ سنایا اور عرض کیا کہ وہ حدیثیں مجھے یاد ہو گئی ہیں، انھوں نے کہا کہ سناؤ، تو میں نے سنادیں، تو بھی ان کو یقین نہ آیا اور انھوں نے فرمایا کہ تم نے آنے سے پہلے یہ حدیثیں دیکھ لی ہیں! تو میں نے عرض کیا: اس کے علاوہ حدیثیں سنادیجیے، تو انھوں نے مجھے دوسری چالیس حدیثیں سنائیں پھر فرمایا کہ اب تم سناؤ، تو میں نے ان کے سامنے وہ حدیثیں دہرادیں، ایک لفظ کا بھی میں نے فرق نہیں کیا"۔(۱)

بعض روایتوں میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس پر شیخ نے فرمایا: "ما رأیت مثلك" (میں نے تمہارے جیسا نہیں دیکھا)(۲)

امام ترمذیؒ کا ایک اور واقعہ مشہور ہے کہ وہ نابینا ہونے کے بعد ایک مرتبہ اونٹ پر

(۱) سیر أعلام النبلاء ۲۷۳/۱۳ (۲) تهذیب التهذیب: ۹/ ۳٤٥

سوار ہو کر حج کو تشریف لے جارہے تھے، راستہ میں ایک مقام پر انھوں نے چلتے چلتے اپنا سر جھکا لیا اور اپنے دوسرے رفقاء کو بھی کرنے کو کہا، لوگوں نے حیران ہو کر وجہ پوچھی تو فرمایا کہ کیا یہاں کوئی درخت نہیں ہے؟ ساتھیوں نے انکار کیا تو امام صاحب نے قافلہ روکنے کا حکم دیا اور فرمایا: اس کی تحقیق کرو، مجھے یاد ہے کہ سالوں پہلے میں یہاں سے گزرا تھا تو یہاں ایک درخت تھا جس کی شاخیں بہت جھکی ہوئی تھیں اور اس کے نیچے سے سر جھکائے بغیر گزرنا ناممکن تھا، شاید اب وہ درخت کسی نے کاٹ دیا ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو یقیناً میرا حافظہ کمزور ہو چکا ہے اور اب میرے لیے روایت کرنا مناسب نہیں ہے، میں روایت کرنا چھوڑ دوں گا، لوگوں نے جب تحقیق کی تو پتہ چلا کہ واقعۃً یہاں ایک درخت تھا، چونکہ اس سے مسافروں کو پریشانی ہوتی تھی اس لیے اس کو کٹوا دیا گیا۔(۱)

تفقہ

صحاح ستہ کے مصنفین میں امام ترمذیؒ کو حدیث کے رسوخ کے ساتھ ساتھ تفقہ میں بھی امتیاز حاصل تھا، امام بخاریؒ کی طویل صحبت نے اس میں رنگ بھرا تھا، امام ذہبیؒ لکھتے ہیں: "وتفقہ في الحديث بالبخاري" (حدیث میں ان کو بخاری سے تفقہ حاصل ہوا)(۲)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ان کے امتیاز کا ذکر اس طرح کیا ہے:
"وكان من أول من طرق موضوع ما يسمّيه الناس اليوم الفقهَ المقارنَ" (جس کو لوگ آج "تقابلی فقہ" کا نام دیتے ہیں، امام ترمذی نے اس کی بنیاد رکھی ہے)

مولانا آگے لکھتے ہیں: "اپنے زمانے کے مجتہدانہ مسالک کو محفوظ کر کے انھوں نے بڑا کام کیا، امت پر ان کا یہ احسان ہے جس کا اعتراف امت پر واجب ہے، اگر امام ان مسالک کو محفوظ نہ کرتے تو اکثر حصہ ضائع ہو جاتا، حدیث کے موضوع پر

(۱) درس ترمذی: ۱/۱۳۳ (۲) تذکرۃ الحفاظ: ۲/۱۸۷

جو کتابیں لکھی گئی ہیں امام ترمذی کی سنن کو اس میں خاص امتیاز حاصل ہے، اختلافات ائمہ کے سلسلہ میں سب سے قدیم اور قابل اعتماد مرجع یہی کتاب ہے، خاص طور پر جو مسالک متروک ہوگئے ان کا علم بس اسی کتاب سے ہوتا ہے، جیسے امام اوزاعیؒ، امام ثوریؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ وغیرہ کے مسالک"(۱)

ائمہ کا خراج تحسین

صحاح ستہ کے مصنفین میں امام ترمذی کو بعض وہ امتیازات حاصل ہیں جن میں وہ منفرد ہیں، سب سے پہلے انھوں نے ہی تقابلی فقہ کی بنیاد ڈالی، اور ان ائمہ متقدمین کے مسالک علماء کے لیے محفوظ کردیے جو آج فقہ کی کتابوں میں بھی مشکل سے ملتے ہیں، اور علم حدیث میں تو وہ بعد والوں کے لیے مقتدیٰ کی حیثیت رکھتے ہیں، حافظ ابن حجرؒ ادریسی سے ناقل ہیں: "امام ترمذی ان لوگوں میں سے ہیں جو علم حدیث میں لائق تقلید ہیں۔" جامع" لکھی، "تاریخ" لکھی، اور "العلل" تصنیف کی، ان میں پورے اتقان کے ساتھ ان کی عالمانہ شان نظر آتی ہے، قوت حفظ میں وہ ضرب المثل تھے"۔(۲)

امام حاکم نیساپوریؒ فرماتے ہیں: "میں نے عمر بن علک سے یہ کہتے سنا کہ "بخاری دنیا سے گئے تو پورے خراسان میں انہوں نے ایسا انسان نہیں چھوڑا جو علم، قوت حفظ، زہد وتقویٰ میں ترمذی کے ہم پلہ ہو، اتنا روتے تھے کہ بینائی جاتی رہی اور سالوں نابینا رہے"(۳)

امام ذہبیؒ نے ان کے لیے "الحافظ العَلَم الامام البارع" کے الفاظ تحریر فرمائے ہیں، یعنی یہ کہ وہ حافظ حدیث، علم کا نشان اور ماہر امام تھے۔(۴)

امام مزیؒ لکھتے ہیں: "احد الأئمة الحفاظ المبرزین ومن نفع الله به

(۱) نظرات في الحديث: ۱۵۷-۱۵۸

(۲) تهذيب التهذيب: ۳۴۵/۹ (۳) سير أعلام النبلاء: ۲۷۳/۱۳

(٤) سير أعلام النبلاء: ۲۷۰/۱۳

المسلمین" (ممتاز حفاظ حدیث اور اماموں میں سے ایک تھے، اور ان لوگوں میں سے جن سے اللہ نے مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا)(۱)

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: "هو أحد أئمة هذا الشأن في زمانه" (ان علوم میں اپنے زمانے کے اماموں میں سے تھے)(۲)

ابن العماد حنبلی کا کہنا ہے: "كان مبرزاً على الأقران، آية في الحفظ والاتقان" (ہم عصروں میں ممتاز تھے، اور حفظ واتقان میں ایک نشانی تھے۔(۳)

امام ترمذیؒ کے لیے یہ بات قابل فخر ہے کہ ان کے استاذ و شیخ امام بخاریؒ نے ان کو خطاب کرکے فرمایا تھا "ما انتفعتُ بك أكثرُ ممّا انتفعتَ بي" (تم نے مجھ سے جو فائدہ اٹھایا اس سے زیادہ میں نے تم سے فائدہ اٹھایا)(۴)

یہ امام بخاریؒ کی طرف سے امام ترمذیؒ کے لیے ایک تمغۂ امتیاز ہے، اور یہ چیز بھی ان کے لیے باعث فخر ہے کہ امام بخاریؒ نے ایک روایت خود ترمذیؒ سے نقل کی ہے، وہ روایت نقل کرکے امام ترمذیؒ لکھتے ہیں: "محمد بن اسماعیل (بخاری) نے مجھ سے یہ حدیث سنی، اور ان کے لیے یہ حدیث نئی تھی"(۵)

وفات

دوشنبہ کی شب ۱۳/ رجب ۲۷۹ھ کو یہ آفتاب جہاں سے اٹھا تھا وہیں غروب ہوگیا، "بوغ" جو "ترمذ" سے چند میل کے فاصلے پر ہے وہیں امام صاحب کی ولادت ہوئی تھی، اور وہیں وفات ہوئی۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ٢٦/ ٢٥٠

(۲) البداية والنهاية: ٦/ ٧١، طبع دار البيان

(۳) شذرات الذهب: ٢/ ٣٤٢، طبع بيروت (٤) تهذيب التهذيب: ٩/ ٣٤٥

(۵) جامع الترمذي: ٣٠٩-٣١٠

تصنیفات

امام ترمذی کی تصنیفات کی ایک فہرست نقل کی جاتی ہے لیکن ان میں چند ہی کتابیں محفوظ رہیں، مگر جو بھی ہیں وہ اپنے اپنے فن میں منفرد ہیں، سنن کے علاوہ ان کی سب سے مشہور کتاب "الشمائل" ہے جس میں انہوں نے اسانید سے آنحضور ﷺ کا حلیہ مبارک اور عادات واخلاق عالیہ نقل کیے ہیں، اس کتاب کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی، اس فن میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے، اس کی چالیس سے زیادہ شروحات لکھی گئیں۔

دوسری مشہور کتاب "العلل" ہے جو سنن کے اخیر میں موجود ہے، وہ بھی اپنے فن میں منفرد کتاب ہے، علوم حدیث کے سلسلہ کی یہ اولین کتابوں میں ہے، حافظ ابن رجبؒ نے اس کی بڑی مفید شرح لکھی ہے جو ڈاکٹر نورالدین عترکی تحقیق کے ساتھ شائع ہوچکی ہے۔

امام صاحب کی ایک کتاب "تسمية أصحاب رسول الله" کے نام سے بھی ہے، اس میں سات سو اٹھائیس صحابہ کے نام نسبت اور کنیت کے ساتھ درج ہیں، لیکن امام صاحب کی سب سے مشہور کتاب "سنن الترمذي" ہے جس نے ان کو ممتاز ترین محدثین اسلام کی فہرست میں نمایاں مقام عطا کیا ہے۔

سنن الترمذی

سنن ترمذی کو صحاح ستہ میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے، ایک طرف اس میں احکام کی احادیث ہیں، دوسری طرف کوئی اہم موضوع نہیں چھوٹا جس کی روایات امام صاحب نے جمع نہ کی ہوں، چالیس سے زیادہ موضوعات کا انہوں نے احاطہ کیا ہے، پھر مسالک فقہاء کے تذکرہ کے علاوہ علوم حدیث کی مختلف قسموں کو اس طرح انہوں نے اپنی کتاب میں سمودیا ہے کہ یہ کتاب علوم حدیث کا ایک حسین گلدستہ بن گئی ہے، چنانچہ حافظ ابوجعفر بن الزبیر فرماتے ہیں: ''امام ترمذی کو علم حدیث کے مختلف فنون کو جمع کرنے کے لحاظ سے جو امتیاز حاصل ہے اس میں کوئی اور ان کا شریک نہیں'' (۱)

صحاح میں "جامع" کا اطلاق صرف دو کتابوں پر ہوتا ہے: ایک امام بخاری کی "صحیح" پر، دوسرے امام ترمذی کی "جامع" پر، اور "جامع" اسی کتاب کو کہتے ہیں جن میں بنیادی طور پر آٹھ موضوعات کا احاطہ ہو:-

(۱) عقائد (۲) احکام (۳) آداب (۴) سِیَر (۵) فتن (۶) اشراط (۷) تفسیر (۸) مناقب۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کتاب کے امتیازات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) یہ کتاب بیک وقت جامع بھی ہے، اور سنن بھی، اس لیے کہ

---

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث: ۲۲۶

اسے فقہی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے۔

(۲) اس کتاب میں احادیث کا تکرار نہیں۔

(۳) اس میں امام ترمذیؒ نے تمام فقہاء کے بنیادی مستدلات کو جمع کیا ہے، اور ہر ایک کے لیے جدا باب قائم کیا ہے۔

(۴) ہر باب میں امام ترمذیؒ نے فقہاء کے مذاہب بالالتزام بیان کیے ہیں، جس کی وجہ سے یہ کتاب حدیث کے ساتھ فقہ کا بھی قابل قدر ذخیرہ بن گئی ہے۔

(۵) امام ترمذیؒ ہر حدیث کے بارے میں اس کا درجہ استناد بھی بتاتے ہیں، اور سند کی کمزوریوں کی تفصیل کے ساتھ نشان دہی کرتے ہیں۔

(۶) ہر باب میں امام ترمذیؒ ایک یا دو تین احادیث ذکر کرتے ہیں، اور ان احادیث کا انتخاب کرتے ہیں جو عموماً دوسرے ائمہ نے نہیں نکالیں، لیکن ساتھ ہی "وفي الباب عن فلان وفلان" کہہ کر ان احادیث کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں جو اس باب میں آسکتی ہیں، چنانچہ بہت سے علماء نے صرف امام ترمذیؒ کی "وفي الباب" کی تخریج پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

(۷) اگر حدیث طویل ہو تو امام ترمذیؒ عموماً اس میں سے صرف وہ حصہ ذکر کرتے ہیں جو باب سے متعلق ہو، اسی لیے ترمذی کی احادیث مختصر اور چھوٹی ہیں، اور انہیں یاد رکھنا آسان ہے۔

(۸) اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی علت یا اضطراب ہو تو امام ترمذیؒ اس کی مفصل تشریح فرماتے ہیں۔

(۹) امام ترمذیؒ کا معمول ہے کہ وہ مشتبہ راویوں کا تعارف بھی کراتے ہیں، بالخصوص جو راوی نام سے مشہور ہیں ان کی کنیت، اور جو کنیت سے مشہور ہیں ان کا نام بیان فرماتے ہیں تاکہ اشتباہ باقی نہ رہے، اور بعض اوقات اس

پر بحث بھی کرتے ہیں کہ راوی کا مروی عنہ سے سماع ثابت ہے یا نہیں۔

(۱۰) جامع ترمذی کی ترتیب بہت آسان اور اس کے تراجم ابواب نہایت سہل ہیں، اور اس سے حدیث کا تلاش کرنا بہت آسان ہے۔"(۱)

یہی امتیازات ہیں جن کی بنیاد پر اس کتاب کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ شاید صحیح بخاری کے بعد کسی کتاب کو حاصل نہیں ہوا، شیخ الاسلام ابو عبداللہ انصاریؒ فرماتے تھے:

"كتابه عندي أنفع من كتاب البخاري و مسلم؛ لأن كتابي البخاري و مسلم لايقف على الفائدة منهما الّا المتبحر العالم، و كتاب أبي عيسىٰ يصل الى فائدته كل أحد من الناس" (ان کی کتاب میرے نزدیک بخاری و مسلم کی کتاب سے زیادہ مفید ہے، کیونکہ ان دونوں کتابوں سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو متبحر عالم ہو، لیکن ابو عیسیٰ کی کتاب سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے)(۲)

خود امام ترمذیؒ اپنی اس تصنیف کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:-

"صنّفتُ هذاالمسندَ الصحيحَ و عرضتُه على علماءِ الحجازِ فَرَضُوا به، و عرضتُه على علماءِ العراقِ فَرَضُوا به، و عرضتُه على علماءِ خراسانَ فَرَضُوا به، و من كان في بيته هذا الكتابُ فكأنما في بيته نبيٌّ ينطق - و في رواية "يتكلّم"

میں نے "المسند الصحیح" (سنن ترمذی) تصنیف کر کے علمائے حجاز کے سامنے پیش کی تو انہوں نے پسند کی، علمائے عراق کے سامنے پیش کی تو انہوں نے پسند کی، علمائے خراسان کے سامنے پیش کی تو انہوں نے پسند کی، اور جس گھر میں یہ کتاب موجود ہے اس کے گھر میں گویا پیغمبر موجود ہے جو بات کر رہا ہے۔

سنن ترمذی کے سلسلہ میں بڑا جامع تبصرہ وہ ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے صحاح ستہ کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا ہے:-

"اور ان میں چوتھی شخصیت امام ترمذیؒ کی ہے جنہوں نے

---

(۱) درس ترمذی: ۱/۱۳۵-۱۳۶ (۲) شروط الائمة الستة: ۱۶

شیخین کا طریقہ بھی بہتر سمجھا کہ ان دونوں حضرات نے بڑی وضاحت سے کام لیا ہے اور کسی طرح کا غموض نہیں رکھا، اور امام ابوداؤدؒ کا طریقہ بھی بہتر سمجھا کہ انہوں نے مختلف مسالک کے دلائل جمع کر دیے ہیں، پس امام ترمذیؒ نے دونوں طریقوں کو جمع کیا، اور مستزاد یہ کہ صحابہ وتابعین اور فقہاء کے مسالک بھی نقل کر دیے تو اس طرح بڑی جامع کتاب تیار فرمائی، حدیث کی سندوں کا بڑا لطیف اختصار اس طرح کر دیا کہ ایک کا ذکر فرما کر وہ اس کے علاوہ کی طرف اشارہ بھی فرما دیتے ہیں، پھر ہر حدیث کے بارے میں یہ بھی صراحت کر دی کہ وہ "صحیح" ہے "حسن" ہے یا "ضعیف" یا "منکر" ہے، اور کمزوری کے اسباب بھی بیان کر دیے تاکہ طالب علم پوری طرح باخبر رہے اور صحیح احادیث کو علیٰ وجہ البصیرۃ سمجھ سکے، مزید انہوں نے یہ بھی وضاحت فرما دی ہے کہ حدیث مشہور ہے یا غریب ہے، اور اس سلسلہ میں بھی صحابہ اور فقہاء کی آراء نقل کر دی ہیں، پھر جس کے نام کا تذکرہ ضروری سمجھا، نام کا تذکرہ کیا، اور جس کی کنیت بیان کرنی ضروری سمجھی، اس کی کنیت بیان کی اور اہل علم کے لیے کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا، اسی لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ مجتہد کے لیے بھی کافی ہے، اور مقلد کا کام بھی اس سے پورا ہوتا ہے۔"(۱)

شروحات

سنن ترمذی کی شروحات لکھنے والوں میں قاضی ابوبکر ابن العربی کو اولیت حاصل ہے، ان کی شرح کا نام ہے "عارضة الأحوذي" ان کے بعد امام ابن سید الناس، علامہ عراقی اور علامہ بلقینی نے شروحات لکھیں لیکن کسی کی شرح مکمل نہ ہو سکی، علامہ سیوطی نے

(۱) حجة الله البالغة: ۱/ ٤٣٤

بھی اس کی شرح لکھی، جس کا اختصار "نفع قوت المغتذي" کے نام سے ہندوستانی نسخوں میں بھی موجود ہے، اس کے مصنف علامہ علی بن سلیمان دمنتی ہیں۔

ہندوستانی علماء نے اس کی جو شروحات لکھی ہیں ان میں اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ کی شرح سب سے زیادہ مقبول ہوئی، ان کے علاوہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے بھی اس کی بڑی فاضلانہ شرح لکھنی شروع کی تھی جو مکمل نہ ہوسکی، اور اس کی "كتاب الحج" تک چھ جلدیں شائع ہوئیں۔

ان شروحات کے علاوہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے دروس وأمالی بھی عربی میں شائع ہوئے، اردو میں مولانا محمد تقی عثمانی کے درس ترمذی اور مولانا سعید احمد پالن پوری کے درس کو جو "تحفة الألمعي" کے نام سے شائع ہوا، بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

سنن ترمذی کا ایک قیمتی نسخہ وہ بھی ہے جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان کے ایک بزرگ مولانا قطب الہدیٰ محدثؒ نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے درس کے دوران لکھا، اس میں ان کے درس کے کچھ اَمالی بھی موجود ہیں، یہی نسخہ علامہ عبدالحی حسنیؒ کے پیش نظر رہا جب انہوں نے محدث یمن علامہ حسین بن محسن انصاریؒ سے ترمذی سبقاً سبقاً پڑھی، اور انہوں نے بھی چند جگہ کچھ حواشی تحریر فرمائے، پھر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء سے اسی نسخہ میں پڑھا، اور کہیں کہیں حواشی بھی لکھے۔

یہ امام ترمذیؒ اور ان کی سنن کا مختصر تذکرہ ہے، عربی میں خاص طور پر بڑی فاضلانہ کتابیں اس پر لکھی گئی ہیں، جن میں ڈاکٹر نورالدین عتر کا یہ خاص موضوع ہے، انھوں نے متعدد کتابیں اس موضوع پر تصنیف کی ہیں، جن میں "الموازنة بين جامع الترمذي والصحيحين" خاصے کی چیز ہے، مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ نے "تحفة الأحوذي" کا مقدمہ مستقل ایک ضخیم جلد میں تصنیف فرمایا ہے، جس میں امام ترمذیؒ، ان کی تصنیفات خاص طور پر "سنن" اور اس کی شروحات کا بھرپور تذکرہ کیا ہے۔

امام ابوداوٗدؒ

صحاح ستہ کے مصنفین میں شیخین کے بعد امام ابوداوٗد ہی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ خود صحاح کے مصنفین میں سے امام نسائی اور امام ترمذی دونوں ان کے شاگرد ہیں، اور ان کی سنن اس حیثیت سے فائق ہے کہ احادیث احکام کا جتنا بڑا ذخیرہ اس کتاب میں ہے وہ صحاح ستہ میں اور کسی کتاب میں نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ کتاب تصنیف ہوتے ہی اس کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ شاید ہی دوسری کتاب کو حاصل ہوا ہو۔

ولادت اور نام ونسب

امام صاحب کی ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی، یمن کے ایک قبیلہ "ازد" سے ان کا نسبی تعلق تھا، کہا جاتا ہے کہ ان کے اجداد میں سے "عمران" جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے اور اسی میں شہید ہوئے (۱) غالباً ان کے دادا یا پردادا نے "سجستان" کا رخ کیا ہوگا وہیں ان کی ولادت ہوئی، نام سلیمان، والد کا نام اشعث بن اسحاق ہے، ابوداوٗد کنیت ہے۔

طلب علم

امام صاحب کے ابتدائی حالات پردۂ خفا میں ہیں، اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے والد صاحب نے اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کی فکر کی، یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کے بڑے

(۱) تہذیب التہذیب: ۱۴۹/۴

بھائی محمد بن الاشعث نے بھی تحصیل علم کی طرف توجہ کی اور علمی اسفار میں دونوں شریک رہے، لیکن ان کی عمر نے وفا نہ کی اور جلد ہی ان کی وفات ہوگئی، امام صاحب نے سب سے پہلا سفر بغداد کا کیا، اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی اس کے بعد ہی وہ بصرہ تشریف لے گئے پھر علمی اسفار کا سلسلہ جو شروع ہوا تو مصر، شام، عراق، حجاز اور دوسرے اسلامی شہروں کا رخ کیا اور وہاں کے محدثین سے حدیثیں سنیں، امام کثیرؒ لکھتے ہیں:

"ابو داود السجستانی أحد أئمة الحديث الرحالين الى الآفاق فی طلبه" (۱) (ابوداؤد ان ائمہ حدیث میں ہیں جنھوں نے طلب حدیث کے لیے دور دور کی خاک چھانی)

مشائخ

امام ابوداؤد نے بڑے شہروں میں اہم مراکز علمی کے دورے کیے، اور محدثین کی ایک بڑی تعداد سے استفادہ کیا، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ان کے مشائخ کی تعداد تقریباً تین سو تک پہنچتی ہے (۲) ان میں مشہور ترین حضرات میں امام یحییٰ بن معین، امام اسحاق بن راہویہ، امام بن ابی شیبہ جیسے حضرات شامل ہیں، ان کے مشائخ میں ایک تعداد ان حضرات کی بھی ہے جو حضرات شیخین بخاریؒ و مسلمؒ کے بھی اساتذہ میں سے ہیں۔

امام احمد سے استفادہ

ان مشائخ میں سب سے نمایاں نام حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ہے، جن سے امام موصوف نے سب سے زیادہ استفادہ کیا، کہا جاسکتا ہے کہ ان کی فقہی بصیرت امام احمد کی مرہون منت ہے۔

امام ذہبی تحریر فرماتے ہیں:

"كان أبو داود مع إمامته فی الحديث و فنونه من كبار الفقهاء فكتابه

(۱) البداية والنهاية: ۱۱/۵۸ (۲) تهذيب التهذيب: ۴/۱۰۱

يدل على ذلك وهو من نجباء أصحاب الإمام أحمد لازم مجلسه مدة وسأله عن دقاق المسائل في الفروع والأصول"(۱) (حدیث اور علوم حدیث میں رتبہ امامت پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بڑے فقہاء میں سے تھے ان کی کتاب اس کی دلیل ہے، وہ امام احمد کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، ایک مدت ان کے ساتھ گزاری اور اصول وفروع کے دقیق مسائل ان سے معلوم کرتے رہے)

یہی وہ مسائل ہیں جو انہوں نے مستقل ایک کتاب میں جمع فرمادیئے ہیں جو "مسائل الامام احمد" کے نام سے علامہ رشید رضا کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوچکی ہے، اس کتاب سے فقہ میں امام صاحب کے بلند مقام کا اندازہ ہوتا ہے، اس میں انہوں نے بڑی دیانت اور امانت کے ساتھ امام احمد کی آراء جمع فرمادی ہیں۔

امام صاحب سے امام ابوداؤد نے مختلف حیثیتوں سے فائدہ اٹھایا، ان کے زہد و ورع اور اخلاق وتقوی کا بھی عکس جمیل ان پر نظر آتا ہے، علامہ ابن کثیر ابوموسیٰ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"تفقه أبوداؤد بأحمد بن حنبل ولازمه مدة وبلغنا عن بعض الأئمة أن أباداؤد يشبه بأحمد بن حنبل في هديه وسمته ودله، وكان أحمد يشبه بوكيع ووكيع بسفيان، وسفيان بمنصور، ومنصور بابراهيم، وهو بعلقمة، وهو بابن مسعود، وقال علقمة كان ابن مسعود يشبه بالنبي ﷺ" (۲) (امام ابوداؤد نے امام احمد سے تفقہ حاصل کیا اور ایک زمانہ تک ان کے ساتھ رہے، بعض ائمہ سے معلوم ہوا کہ وہ اپنی سیرت وکردار اور طور طریق میں امام احمد کے مشابہ تھے اور احمد وکیع کی طرح تھے اور وکیع سفیان کی طرح اور سفیان منصور کی طرح

(۱) سير أعلام النبلاء: ۲۱۵/۱۳

(۲) سير أعلام النبلاء: ۲۱۶/۱۳، والبداية والنهاية: ۵۹/۱۱

اور منصور ابراہیم کی طرح اور ابراہیم علقمہ کی طرح اور وہ ابن مسعود کی طرح،
اور علقمہ فرماتے تھے کہ ابن مسعود آنحضور ﷺ سے مشابہت رکھتے تھے)

سیرت واخلاق کا یہ تسلسل جو آنحضور ﷺ سے چل کر امام احمد کے واسطے سے امام ابوداود تک پہنچا یہ ان کے لیے ایک سند کا درجہ رکھتا ہے۔

یہ بھی ان کے لیے بڑے فخر کی بات ہے کہ ان کے مایہ ناز استاذ وشیخ حضرت امام احمدؒ نے ایک روایت خود امام ابوداود سے بھی نقل کی ہے، علوم حدیث کی اصطلاح میں "روایة الأکابر عن الأصاغر" کی یہ ایک اعلیٰ مثال ہے۔

امام صاحب کے دل میں امام احمد کی طرح دوسرے ائمہ فقہ کے لیے بھی محبت وعقیدت کے جذبات تھے، امام ابن عبدالبر اپنی سند سے لکھتے ہیں:

"کان یقول: رحم اللہ مالکاً کان إماماً، رحم اللہ الشافعی کان إماماً، رحم اللہ أبا حنیفة کان إماماً" (۱) (خدا کی رحمت ہو مالک پر وہ امام تھے، خدا کی رحمت ہو شافعی پر وہ امام تھے، خدا کی رحمت ہو ابو حنیفہ پر وہ امام تھے)

علمی مقام

حدیث میں امام صاحب موصوف کی اہمیت کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ صحاح ستہ کے مصنفین میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، ان کے بارے میں یہ جملہ بہت مشہور ہے کہ:

"ألین لأبی داؤد الحدیث کما ألین لداؤد الحدید" (۲) (ابوداود کے لیے حدیثیں ایسی آسان کردی گئی ہیں جیسے حضرت داود علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کردیا گیا تھا)

ابن مندہ فرماتے ہیں: وہ چار ائمہ جنہوں نے صحیح حدیث کی تخریج کی اور ثابت کو

---

(۱) جامع بیان العلم: ۲/۲۰۰ (۲) معالم السنن: ۱-۷

سقیم سے اور خطا کو صواب سے جدا کیا یہ ہیں: بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی۔(۱)

حدیث میں اس بلند مقام کے ساتھ ان کو یہ امتیاز حاصل ہے فقہ میں بلند پایہ رکھتے ہیں، امام ذہبی لکھتے ہیں "کان رأسا فی الفقه رأسا فی الحدیث" (وہ فقہ میں بھی بلند مقام پر تھے اور حدیث میں بھی بلند مقام پر تھے)

حافظ موسیٰ بن ہارون فرماتے ہیں "خلق ابوداؤد فی الدنیا للحدیث وفی الآخرة للجنة" (۲) (ابوداؤد کو دنیا میں حدیث کے لیے اور آخرت میں جنت کے لیے پیدا کیا گیا)

حاکم نیشاپوری فرماتے ہیں "ابوداؤد امام أهل الحدیث فی عصره بلا مدافعة" (۳)

فن حدیث میں اس بلند مرتبہ کے ساتھ فقہ میں بھی ان کا بلند مقام تھا، ان کے اسی فقہی ذوق کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنی کتاب کو صرف احادیث احکام کے لیے خاص فرمایا، اور ان کے اسی فقہی ذوق کی وجہ سے علامہ ابواسحاق شیرازی نے "طبقات الفقهاء" میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

زہد واحتیاط اور محبوبیت

زہد وتقویٰ میں بھی امام صاحب بلند مقام رکھتے تھے، ان کی زندگی ایک قابل تقلید نمونہ کی زندگی تھی، حضرت سہل بن عبداللہ تستری جو کبار اولیاء اللہ میں سے ہیں ایک مرتبہ خود حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: مجھے آپ سے ایک ضرورت ہے امام صاحب نے فرمایا: کیا ضرورت ہے؟ حضرت سہل نے فرمایا: میں اس وقت جاؤں گا جب آپ یہ وعدہ کریں کہ اگر میرے بس میں ہوا تو میں ضرور پورا کروں گا، امام صاحب نے فرمایا

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۳-۲۱۲ (۲) تهذیب التهذیب: ٤-۱۰۱

(۳) تهذیب التهذیب: ٤-۱۰۱

کہ اگر میں کرسکا تو ضرور کروں گا، حضرت سہیل نے فرمایا: آپ نے جس زبان سے اللہ کے رسول ﷺ کی حدیثیں بیان کی ہیں، میں اس کا بوسہ لینا چاہتا ہوں، امام صاحب نے زبان نکالی اور حضرت سہیل نے بوسہ لیا (۱)

امام ابوحاتم رازیؒ فرماتے ہیں: "کان الامام أبوداؤد أحد أئمة الدنیا فقهاً وعلماً وحفظاً ونسكاً و ورعاً واتقاناً" (۲) (امام ابوداؤدؒ فقاہت میں، علم میں، حفظ میں، عبادت وورع میں اور علم کی پختگی میں دنیا کے اماموں میں سے ایک ہیں)

امام ابوداؤد کے خادم ابوبکر بن جابر ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ ہم بغداد میں امام صاحب کے ساتھ تھے مغرب کی نماز سے فارغ ہوئے تو کسی نے دروازے پر دستک دی میں نے جا کر دروازہ کھولا تو وہاں امیر ابواحمد الموفق موجود تھے، انہوں نے اندر آنے کی اجازت چاہی، امام صاحب نے اجازت دی اور دریافت فرمایا کہ اس وقت کیسے زحمت فرمائی؟ امیر نے کہا کہ تین ضرورتیں ہیں، امام صاحب نے کہا فرمایئے، امیر نے کہا کہ آپ بصرہ منتقل ہو جائیں، اور وہاں سکونت اختیار کرلیں تاکہ لوگ وہاں آپ کی خدمت میں حاضر رہیں امام صاحب نے فرمایا دوسری بات، اس امیر نے کہا کہ آپ میرے بچوں کو سنن کی روایات سنادیں، امام صاحب نے فرمایا تیسری ضرورت کیا ہے، امیر نے کہا کہ ان بچوں کو الگ سے سنائیں اس لیے کہ امیر کے بچے عام لوگوں میں نہیں بیٹھ سکتے، امام صاحب نے فرمایا: یہ تیسری چیز تو ممکن نہیں، اس لیے کہ اس علم کے سامنے سب چھوٹے بڑے برابر ہیں، ابن جابر کہتے ہیں اس کے بعد سے امیر کے بیٹے آتے تھے اور سب کے ساتھ بیٹھ کر حدیثوں کی سماعت کرتے تھے، ایک پردہ درمیان میں ڈال دیا جاتا تھا۔ (۳)

---

(۱) وفیات الأعیان: ۲-٤٠٤-٤٠٥، شذرات الذهب: ۲۲۱/۲-۲۲۲

(۲) البدایة والنهایة: ۱۱-۵۵

(۳) معالم السنن ۱-۷، تاریخ دمشق ابن عساکر ۲۲-۱۹۳

علماء کا خراجِ تحسین

حدیث وفقہ میں درجہ امامت پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ زہد وورع میں بھی امام صاحب کو امامت کا منصب حاصل تھا، ہر زمانے کے علماء نے امام صاحب کی اس جامعیت کا اعتراف کیا ہے۔

حضرت ابوبکر خلالؒ فرماتے ہیں: ''ابوداود اپنے زمانے میں ممتاز ترین ائمہ میں سے تھے، علوم کی تخریج اوران کے مقامات سے واقفیت میں اپنے زمانے میں ان کی کوئی نظیر نہیں تھی، تقوی میں بھی ممتاز تھے''۔(۱)

احمد بن یاسین فرماتے ہیں: ''حدیث، علوم حدیث اور علل واسانید کے حافظ تھے، زہد وعبادت اور اصلاح وورع میں بلندترین مقام حاصل تھا، حدیث میں بہت آگے جانے والوں میں تھے''۔(۲)

حافظ ابن حبان بستی فرماتے ہیں: ''امام ابوداؤد فقہ، علم، حفظ، عبادت، زہد اور امامت میں دنیا کے اماموں میں سے تھے، روایتیں جمع کیں، تصنیف کا کام کیا، حدیث و سنت کا دفاع کیا''۔(۳)

موسیٰ بن ہارون کہتے تھے کہ ''میں نے ابوداؤد سے افضل کسی کو نہیں دیکھا''۔

امام ابن جوزی کا بیان ہے کہ: ''عالم تھے، علل حدیث کے ماہر تھے، زہد وتقوی سے آراستہ تھے، اور امام احمد بن حنبل سے مشابہ تھے''۔(۴)

امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''ابوداؤد کی تعریف میں سب رطب اللسان ہیں، قوت حفظ، رسوخ فی العلم، مہارت اور زہد، دینداری اور حدیث میں گہرے فہم پر تمام علماء کا اتفاق ہے''۔(۵)

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۳-۲۱۱ (۲) سیر أعلام النبلاء: ۱۳-۲۱۱

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۱۳-۲۱۲ (٤) مقدمہ بذل المجهود: ۹۸/۱ بحوالہ المنتظم لابن الجوزی: ۵-۹۷ (۵) تهذیب الأسماء واللغات: ۲۲۵/۲

وفات

امیر ابواحمد کی درخواست پر امام صاحب نے بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، وہیں شوال ۲۷۵ھ میں ان کی وفات ہوئی، اور حضرت سفیان ثوریؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے، ایک فرزند یادگار چھوڑا جو خود آگے چل کر حدیث کے امام ہوئے اور ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد کے نام سے مشہور ہوئے، امام صاحب نے ان کی تعلیم و تربیت کا بڑا اہتمام فرمایا تھا، امام کے متعدد مشائخ سے انہوں نے بھی روایات سنیں۔

امام صاحب کی کنیت ابوداؤد سے اندازہ ہوتا ہے کہ داؤد نام کے بھی ان کے کوئی فرزند رہے ہوں گے لیکن تاریخ میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا، ممکن ہے بچپن میں وفات ہوگئی ہو۔

تصنیفات

امام صاحب نے متعدد کتابیں اور رسائل تصنیف فرمائے، ذیل میں اس کی تفصیل نقل کی جارہی ہے۔

(۱) المراسیل، مطبوعہ

(۲) الرد علی القدریۃ، اس کا تذکرہ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں اور امام سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں کیا ہے۔

(۳) الناسخ والمنسوخ، حافظ ابن حجرؒ اور امام سیوطیؒ نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

(۴) مسائل الامام احمد، اس کتاب کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے، فقہی ابواب کی ترتیب پر یہ کتاب تصنیف کی گئی ہے اور علامہ رشید رضا مصری کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

(۵) کتاب الزھد، مطبوعہ

(۶) رسالة بسلسلة تعارف السنن، یہ اہل مکہ کے نام امام صاحب کا ایک تفصیلی مکتوب ہے جس میں امام صاحب نے اپنی سنن کا تعارف کرایا ہے اور اپنا منہج بتایا ہے اور اس کی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے، یہ رسالہ علامہ زاہد الکوثری کی تحقیق و حواشی کے ساتھ ۱۳۶۹ھ میں مستقل چھپ چکا ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کی بذل المجهود کے ساتھ بھی ۱۳۹۳ھ میں چھپا اور شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے بھی اپنی تحقیق اور حواشی کے ساتھ اس کو شائع کیا۔

(۷) کتاب البعث والنشور، مطبوعہ

ان مطبوعہ رسائل کے علاوہ تقریباً چودہ، پندرہ رسائل غیر مطبوعہ ہیں، مولانا تقی الدین صاحب ندوی نے بذل المجهود کے مقدمہ میں ان کا تعارف قدرے تفصیل سے کرایا ہے۔

ان تمام تصنیفات میں جس کتاب نے امام صاحب کو شہرت و مقبولیت کی بلندیوں پر پہنچایا اور ائمہ محدثین میں ممتاز مقام عطا کیا وہ ان کی کتاب سنن ہے، جو "سنن ابی داؤد" کے نام سے ہر خاص و عام کی زبان پر ہے، اور صحاح ستہ میں صحیحین کے بعد اکثر علماء نے اس کو پہلے مقام پر رکھا ہے۔

سنن أبی داؤد

امام صاحب نے اس کتاب کا انتخاب پانچ لاکھ احادیث کو سامنے رکھ کر کیا ہے، وہ خود بیان فرماتے ہیں: "کتبت عن رسول الله ﷺ خمس مأة ألف حديث انتخبت منها ما ضمنته هذا الكتاب" (۱) (میں نے رسول اللہ ﷺ کی پانچ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں جن سے ان روایات کا انتخاب کیا ہے جو اس کتاب میں درج کی ہیں)

اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ احادیث احکام کے ساتھ خاص ہے، فقہی روایات کا جتنا بڑا ذخیرہ اس میں موجود ہے وہ صحاح ستہ میں کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے۔ ابو جعفر بن زبیر لکھتے ہیں: "ولأبي داود في حصر أحاديث الأحكام واستيعابها ما ليس لغيره" (۲) (اور احادیث فقہیہ کے حصر و استیعاب کے سلسلہ میں ابوداؤد کو جو بات حاصل ہے وہ دوسرے مصنفین صحاح ستہ کو حاصل نہیں)

اور واقعہ بھی ہے کہ سنن ابی داؤد سے پہلے ہمیں کوئی کتاب ایسی نہیں ملتی جس میں حدیث احکام کا اتنا بڑا ذخیرہ ہو اور وہ صرف اسی موضوع کے ساتھ حاصل ہو، جس کی لوگوں کو سب سے زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔

اپنی اس کتاب کا امام صاحب موصوف نے خود تعارف کرایا ہے جو دراصل اہل مکہ

---

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث: ۲۲۰، بحوالہ مقدمہ تلخیص سنن أبوداؤد، از حافظ منذری

(۲) تدریب الراوی، ص: ۵٦

کے ایک خط کا جواب ہے جس میں انہوں نے کتاب السنن کی احادیث کے بارے میں امام صاحب سے استصواب رائے کیا تھا، ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں امام صاحب موصوف کے بیان کی جو اہمیت ہے وہ کسی اور چیز کی نہیں ہوسکتی۔ ذیل میں اس رسالہ کے اقتباسات جستہ جستہ پیش کیے جاتے ہیں:

"آپ لوگوں نے مجھ سے دریافت کیا ہے کہ آپ کو میں یہ بتاؤں کہ کتاب السنن میں جو حدیثیں ہیں کیا وہ میرے علم کے مطابق صحیح ترین حدیثیں ہیں؟ تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سب ایسی ہی ہیں، سوائے یہ کہ وہ حدیث دو صحیح طریقوں سے مروی ہو اور ان میں ایک کا راوی اسناد میں مقدم ہو (یعنی اس کی سند عالی اور واسطے کم ہوں) اور دوسرے کا حفظ بڑھا ہوا ہو، ایسی صورت میں کبھی اول الذکر طریقہ ہی کو لکھ دیتا ہوں"۔

"اس میں کسی متروک الحدیث شخص سے کوئی روایت نہیں ہے، اور اگر اس میں کوئی منکر روایت آگئی ہے تو میں نے اس کا منکر ہونا بیان کردیا ہے اور یہ اس وقت ہوا ہے جب اس باب میں اس کے علاوہ اور کوئی روایت نہ ہو"۔

"اور میری کتاب میں اگر کوئی روایت ایسی تھی کہ اس میں کمزوری زیادہ تھی تو میں نے اس کو بھی بیان کردیا ہے اور جس روایت کے بارے میں میں نے کچھ نہیں کہا تو وہ ٹھیک ہے، اور بعض روایات بعض سے صحت میں بڑھی ہوئی ہیں، اور اگر یہ کتاب میرے علاوہ کسی اور کی لکھی ہوئی ہوتی تو میں اس کے بارے میں اور زیادہ کہتا، اور یہ ایسی کتاب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جو سنت بھی ٹھیک سند سے تمہیں ملے گی وہ اس میں موجود ہوگی"۔

"میرے علم میں قرآن کے بعد جتنا اس کتاب کا سیکھنا لوگوں پر لازم ہے اتنا اور کسی چیز کا نہیں، جب کوئی شخص اس کتاب کو دیکھے گا اور اس میں غور کرے گا اور اس کو سمجھے گا تب اس کو اس کی قدر ہوگی"۔

"اور جو حدیثیں میں نے کتاب السنن میں درج کی ہیں ان میں اکثر مشہور روایات ہیں جو ہر اس شخص کے پاس موجود ہیں جس نے تھوڑا بہت بھی احادیث کو لکھا ہے لیکن ان میں تمیز کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔"

"اور میں نے کتاب السنن میں صرف احکام ہی کی روایات نقل کی ہیں، زہد اور فضائل اعمال وغیرہ کی روایات نہیں نقل کیں، بس یہ چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں جو سب کی سب احکام پر مشتمل ہیں"۔(۱)

علماء کا خراج تحسین

یہ امام صاحب کے رسالہ سے چند اقتباسات ہیں جن سے کتاب کی اہمیت وافادیت ظاہر ہوتی ہے، ہر دور میں علماء نے اس کا اعتراف کیا ہے، خود امام صاحب کے شاگرد اور اس کتاب کے ایک اہم ناقل و راوی امام ابن الأعرابی فرماتے ہیں: "لو أن رجلاً لم يكن عنده من العلم إلا المصحف الذي منه كتاب الله ثم هذا الكتاب وأشار إلى نسخة السنن –وهي بين يديه– لم يحتج معهما إلى شيء من العلم البتة" (۲) (اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس کے پاس سوائے مصحف یعنی کتاب اللہ کے اور سوائے اس کتاب یعنی سنن کے اور کچھ علم نہ ہو تو بھی اس کو ان دونوں کے بعد اور کسی علم کی ہرگز ضرورت نہ پڑے گی)

سنن کی اسی افادیت کے پیش نظر امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ "علم حدیث میں صرف ایک کتاب مجتہد کے لئے کافی ہے"۔(۳)

---

(۱) ماخوذ از: ابن ماجہ اور علم حدیث: ۲۲۱-۲۲۳، تلخیص کے ساتھ

(۲) معالم السنن: ۱-۱۷ (۳) البداية والنهاية: ۱۱-۵۸

محدث زکریا ساجی کے الفاظ میں "کتاب اللہ عز و جل أصل الاسلام، و کتاب السنن لأبی داؤد عهد الاسلام" (أصل اسلام کتاب اللہ ہے اور فرمان اسلام سنن ابی داود)(۱)

علامہ ابن حزم کا بیان ہے کہ ایک بار حافظ سعید بن السکن "صاحب الصحیح" کی خدمت میں محدثین کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور انہوں نے کہا: ہمارے سامنے حدیث کی بہت سی کتابیں آ گئی ہیں اگر شیخ اس سلسلہ میں کچھ ایسی کتابوں کی طرف ہم لوگوں کی رہنمائی کریں کہ جن پر ہم اکتفاء کر سکیں تو بہتر ہے، حافظ ابن السکن نے یہ سن کر کچھ جواب نہ دیا بلکہ سیدھے اندر گھر میں تشریف لے گئے اور کتابوں کے چار بستہ لا کر تلے اوپر رکھ دیئے پھر فرمانے لگے: "هذه قواعد الاسلام، کتاب مسلم و کتاب البخاري و کتاب أبي داؤد و کتاب النسائي"(۲) (یہ اسلام کی بنیادیں ہیں، مسلم کی کتاب، بخاری کی کتاب، ابوداود کی کتاب اور نسائی کی کتاب)

امام ابوداود نے اس کتاب کی تکمیل بہت پہلے اپنے عہد شباب ہی میں کر لی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جب ان کے محبوب استاذ و شیخ حضرت امام احمد بن حنبل زندہ تھے، امام صاحب نے جب یہ کتاب امام احمد کی خدمت میں پیش کی تو انہوں نے اس کی تحسین فرمائی۔

یہ کتاب تصنیف ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کو مقبولیت عطا فرمائی، امام صاحب کے ایک شاگرد حافظ محمد بن مخلد دوری فرماتے ہیں: "لما صنف السنن و قرأه على الناس صار کتابه لأهل الحديث کالمصحف يتبعونه و أقر له أهل زمانه بالحفظ"(۳) (جب انہوں نے کتاب السنن تصنیف کی اور اس کو لوگوں کے سامنے پڑھا تو محدثین کے لیے ان کی کتاب مصحف کی طرح قابل اتباع بن گئی، اور ان کے معاصرین ان کی قوت حفظ کے قائل ہو گئے)

---

(۱) تذکرة الحفاظ: ۱۶۹/۲
(۲) ماخوذ: ابن ماجہ اور علم حدیث: ۲۲۳
(۳) تهذيب التهذيب: ۱۵۱/٤

سنن ابوداود کے سب سے پہلے شارح امام خطابیؒ شرح کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

"ان كتاب السنن لأبي داود كتاب شريف لم يصنف في علم الدين كتاب قبله وقد رزق القبول من الناس كافة فصار حكماً بين فرق العلماء وطبقات الفقهاء على اختلاف مذاهبهم فلكل فيه ورد ومنه شرب" (۱) (امام ابوداود کی کتاب السنن ایسی عمدہ کتاب ہے کہ علم دین میں ایسی کوئی تصنیف نہیں ہوئی اور اس کو تمام لوگوں میں مقبولیت حاصل ہوئی، چنانچہ یہ کتاب علماء کے تمام فرقوں اور فقہاء کے سب طبقوں میں اختلاف مذاہب کے باوجود حکم مانی جاتی ہے، سب اسی کے گھاٹ پر آتے ہیں اور اسی سے سیراب ہوتے ہیں)

امام نوویؒ فرماتے ہیں: "وينبغي للمشتغل بالفقه وغيره الاعتبار بسنن أبي داؤد، بمعرفته التامة، فان معظم أحاديث الأحكام التي يحتج بها فيه مع سهولة تناوله وتلخيص أحاديثه وبراعة مصنفه واعتناء بتهذيبه" (۲) (فقہ اور دوسرے علوم میں مشغول ہونے والوں کے لیے مناسب ہے کہ وہ سنن ابی داؤد سے بھرپور فائدہ اٹھائیں، اس لیے کہ احکام کی اکثر حدیثیں جن سے استدلال کیا جاتا ہے اس میں موجود ہیں، اس سے استفادہ آسان بھی ہے اور اس کی حدیثیں خلاصہ کے طور پر موجود ہیں، اور مصنف کی مہارت بھی ظاہر ہوتی ہے اور مصنف نے بہتر طریقے پر ان کی تنقیح بھی کی ہے)

امام ابن قیمؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"ولما كان كتاب السنن لأبي داؤد سليمان بن الأشعثؒ من

(۱) معالم السنن: ۱-۶

(۲) الحطة في ذكر الصحاح الستة، ص: ۲۰۵، ط. دار الكتب العلمية

الاسلام فالموضع الذی خصه به بحیث صار حکما بین أھل الاسلام وفصلاً فی موارد النزاع والخصام فإلیه یتحاکم المنصفون و بحکمه یرضی المحققون فانه جمع شمل أحادیث الأحکام ورتبها أحسن ترتیب ونظمها أحسن نظام مع انتقاء ھا أحسن الانتقاء واطراحه فیها أحادیث المجروحین والضعفاء"(۱)

(اور جب کہ سنن ابی داود کو اسلام میں ایک خاص مقام حاصل ہے اس طور پر کہ اس کی حیثیت مسلمانوں میں ایک قاضی کی اور نزاعات واختلافات کے موقعوں پر دوٹوک فیصلہ کرنے والی کی ہے، اہل انصاف اسی سے فیصلہ کرتے ہیں اور اس کے فیصلہ پر اہل تحقیق مطمئن ہوتے ہیں، امام صاحب نے احکام کی منتشر روایات کو اس میں جمع کر دیا ہے، اور اس کو بہتر سے بہتر طریقے پر مرتب فرمایا ہے اور بہتر تنقیح کے ساتھ اس کی ترتیب فرمائی ہے اور اس سے مجروح اور ضعیف روایوں کی احادیث بالکل الگ کردی ہیں)

مؤرخ زماں ابن خلکان لکھتے ہیں:

"أحد حفاظ الحدیث وعلمه و علله و کان فی الدرجة العالیة من النسك والصلاح" (۲) (حدیث، علوم حدیث اور علل کے حافظ تھے اور عبادت وصلاح میں بلند مرتبہ پر فائز تھے)

شروحات اور متعلقات

یہ چیز بھی سنن ابی داود کی حیثیت کو بہت بلند کرتی ہے اور صحاح میں اس کو ممتاز مقام

(۱) تھذیب مختصر سنن أبی داؤد لابن القیم، ۱-۸، مأخوذ مقدمة بذل المجھود از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (۲) وفیات الأعیان: ۲-۴۰۳

عطا کرتی ہے کہ صحیح بخاری کے بعد سب سے زیادہ کام سنن ابی داود پر ہوا، شروحات، تلخیصات، تعلیقات، مستخرجات کی مجموعی تعداد چالیس سے اوپر ہے، خاص طور پر علماء متقدمین کے یہاں اس کی بہت اہمیت رہی ہے، اوران کے یہاں کتاب پر زیادہ کام ملتا ہے۔

اس کی سب سے پہلی شرح "معالم السنن" ہے، جو امام ابو سلیمان حمد بن ابراہیم خطابی (۳۸۵ھ) نے تالیف کی، شروحات حدیث میں یہ کتاب قدیم ترین کتابوں میں ہے، بعد کے مشہور شارحین حدیث نے اس سے جا بجا استفادہ کیا ہے، یہ مختصر لیکن نہایت جامع شرح ہے، ہر ہر حدیث کی شرح اگرچہ اس میں نہیں ہے لیکن موضوع سے متعلق مکمل کلام امام خطابی کے یہاں ملتا ہے۔ اس کے ساتھ مفردات کی تشریح، فقہ، حدیث، علماء کی آراء بھی اس میں ترجیح اور حدیث کے فوائد اس میں موجود ہیں، اس شرح کو أم الشروح کا نام دیا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد دسیوں شروحات اور تعلیقات تصنیف ہوئیں جن میں متاخرین کی دو شروحات کو بڑی مقبولیت ملی، ایک "عون المعبود" کو جو در حقیقت عامة المفقود کا خلاصہ ہے، غاية المقصود علامہ شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی کی تصنیف کردہ ہے اور اس کا خلاصہ مصنف کی نگرانی میں مولانا محمد اشرف عظیم آبادی نے کیا ہے، دوسری مقبول شرح بذل المجهود ہے، جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ کی تصنیف کردہ ہے، ان کے شاگرد رشید حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کا اس میں خاص تعاون شامل رہا ہے، ابھی قریب ہی میں یہ کتاب مولانا تقی الدین صاحب ندوی کی تحقیق واہتمام کے ساتھ بہت خوبصورت شائع ہوئی ہے۔

متاخرین کی شروحات میں علامہ محمود محمد خطاب سبکی کی شرح "المنهل العذب المورود" بھی بہت مفید شرح ہے، لیکن اس کی وہ تین ہی جلدیں لکھ سکے تھے کہ وفات ہوگئی، ان کے صاحبزادہ شیخ امین محمود نے تکمیل شروع کی لیکن اس کو پورا نہ کرسکے اور راہی ملک بقاء ہوگئے۔

امام نسائیؒ

صحاح ستہ کے مصنفین میں امام نسائیؒ کو بلند مقام حاصل ہے، اکثر محققین نے صحیحین کے بعد سنن نسائی کو صحیح ترین کتاب قرار دیا ہے اور محققین کی ایک جماعت نے ان کی شرائط کو سخت ترین شرائط میں شمار کیا ہے۔

ولادت اور نام و نسب

''خراسان'' اور ''ماوراء النہر'' کا علاقہ عالم اسلام کے لیے دماغ کی حیثیت رکھتا ہے، وہاں کی خاک سے ایسے ایسے علماء اور ماہرین فن پیدا ہوئے جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے، اسی خراسان کے ایک شہر ''نسا'' میں امام نسائی پیدا ہوئے، آج دنیا امام صاحب کی اس نسبت کی وجہ سے ''نسا'' کو جانتی ہے۔ ۲۱۵ھ میں امام صاحب کی ولادت ہوئی نام ''احمد'' رکھا گیا، والد کا نام ''شعیب'' اور دادا کا نام ''علی بن سنان'' ہے، ''ابوعبدالرحمٰن'' کی کنیت سے مشہور ہوئے، لیکن دنیا ''امام نسائیؒ'' کے نام سے جانتی ہے، صحاح ستہ کے مصنفین میں تین کو اپنے وطن کی نسبت کے ساتھ شہرت ہوئی، امام بخاری، امام ترمذی اور امام نسائی۔

تعلیم

امام صاحب کی ابتدائی تعلیم کی تفصیلات پردہ خفا میں ہیں، اندازہ یہی ہے کہ

ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی ہوگی، اس کے بعد سب سے پہلا سفر پندرہ سال کی عمر میں ''بلخ'' کا کیا اور اس کے مضافات میں واقع ایک قصبہ ''بغلان'' تشریف لے گئے، اس وقت وہاں حضرت قتیبہ بن سعید کی ذات مرجع خلائق تھی، امام صاحب نے ایک سال دو مہینے ان کی خدمت میں گذارے(۱) اور حدیث کا علم حاصل کیا۔

علمی اسفار

اس دور میں سفر کے بغیر حصول علم کا تصور نہیں تھا، اس زمانہ کی پوری تاریخ علمی اسفار سے بھری پڑی ہے، امام نسائیؒ نے حضرت قتیبہ بن سعید سے استفادہ کے بعد مختلف ملکوں کے سفر شروع کیے اور بڑے بڑے علماء ومحدثین سے حدیثیں سنیں اور اس علم میں مہارت پیدا کی، ان کے مشہور مشائخ میں امام اسحاق بن راہویہ، محمد بن نصر، یونس بن عبدالاعلی، محمد بن بشار، امام ابوداؤد، امام ابوزرعہ رازی اور امام ابوحاتم رازی شامل ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے امام بخاری کو بھی ان کے مشائخ میں شمار فرمایا ہے۔

مصر میں قیام

امام صاحب نے حجاز، شام، عراق، جزیرہ اور مصر وخراسان کے مختلف شہروں کے سفر کیے اور ماہرین فن سے استفادہ کیا، علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: ''رحل الی الآفاق واشتغل بسماع الحدیث والاجتماع بالأئمة الحذاق'' (۲) (دور دور کے سفر کیے اور حدیثیں سنتے اور ماہر ائمہ سے ملاقاتیں کرنے میں مشغول رہے)

لیکن آخر میں قیام کے لیے انہوں نے مصر کا انتخاب کیا، اور اس کو اپنے علوم کی نشرواشاعت کا مرکز بنایا۔

امام ذہبی تحریر فرماتے ہیں: ''جال فی طلب العلم فی خراسان والحجاز ومصر والعراق والجزیرة والشام ثم استوطن مصر ورحل الحفاظ الیه ولم

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۴-۱۲۸ (۲) البدایة والنهایة: ۱۱/۱۶۳

یبق لہ نظیرٌ فی ھذا الشان" (طلب علم کے لیے انہوں نے خراسان، حجاز، مصر، عراق، جزیرہ، شام کا سفر کیا پھر مصر میں طرح اقامت ڈال دی، اور حفاظ حدیث کھنچ کھنچ کر ان کے پاس آنے لگے اور اس فن میں وہ فرد فرید بن گئے)(۱)

مصر کے محلہ "زقاق القناديل" میں ان کا قیام رہا جو علمی حیثیت سے ایک ممتاز محلہ تھا۔

ان کے تلامذہ میں امام ابوجعفر طحاوی، ابوبشر دولابی، خود امام صاحب کے صاحبزادہ عبدالکریم مشہور ہیں، امام ذہبی اور حافظ ابن حجر نے ان کے تلامذہ کی طویل فہرست اپنی اپنی کتابوں میں نقل کی ہے۔

ائمہ کبار اور معاصرین کا اعتراف

امام صاحب کے علو مرتبت اور فن حدیث میں ان کے امتیاز کا اعتراف ہر دور میں علماء وائمہ نے کیا ہے۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں: "أبو عبدالرحمن مقدمٌ علی کل من یذکر بھذا العلم من أھل عصرہ" (۲) (امام نسائی اپنے زمانے میں ان تمام حضرات پر فوقیت رکھتے ہیں جن کا اس علم (یعنی حدیث) سے تعلق ہے)

مزید فرماتے ہیں: "وکان أفقہ مشائخ مصر فی عصرہ وأعلمھم بالحدیث والرجال" (۳) (اپنے زمانہ کے مشائخ میں سب سے زیادہ تفقہ رکھنے والے اور حدیث ورجال کے سب سے بڑے عالم تھے)

حافظ ابوعلی نیشاپوری کا قول ہے: "الامام فی الحدیث بلا مدافعة أبو عبدالرحمن النسائی" (٤) (حدیث میں امام نسائی بلا مقابلہ امامت کے درجہ پر فائز ہیں)

امام صاحب کے ایک شاگرد ابوسعید بن یونس کہتے ہیں: "کــــــــــــان

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۲۷/۱٤ (۲) سیر أعلام النبلاء: ۱٤-۱۳۱

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۱٤-۱۳۳ (٤) سیر أعلام النبلاء: ۱٤-۱۳۱

أبو عبدالرحمن النسائي اماماً حافظاً ثبتاً" (۱) (امام نسائی امام، حافظِ حدیث اور اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں)

امام ذہبی ابوسعید کی بات نقل کر کے خود فرماتے ہیں: "قلت هذا الأصحّ فإن ابن يونس حافظ يقظ وقد أخذ عن النسائي وهو به عارف ولم يكن أحد في رأس الثلاث مائة أحفظ من النسائي وهو أحذق بالحديث وعلله ورجاله من مسلم ومن أبي داؤد ومن أبي عيسىٰ وهو جار في مضمار البخاري وأبي زرعة" (۲) (میں کہتا ہوں یہ بات بالکل درست ہے اس لیے کہ ابن یونس خود بڑے بیدار مغز حافظ حدیث ہیں، نسائی کے شاگرد ہیں اور ان سے خوب واقف ہیں، اور تیسری صدی کے آغاز میں نسائی سے بڑھ کر کوئی دوسرا حافظ حدیث نہیں، بلکہ وہ فن حدیث کی مہارت اس کے علل ورجال سے واقفیت میں مسلم ابوداؤد اور ترمذی سے بھی بڑھے ہوئے ہیں اور بخاری اور ابوزرعہ کے ہم پلہ نظر آتے ہیں)

اپنی معرکۃ الآراء کتاب سیر اعلام النبلاء میں امام نسائی کے تذکرہ کا آغاز ان بلند الفاظ میں کیا ہے: "الامام الحافظ الثبت شيخ الاسلام ناقد الحديث أبو عبدالرحمن أحمد بن شعيب بن علي بن سنان بن بحر الخراساني النسائي صاحب السنن" (۳) (امام، حافظِ حدیث، ثقہ ترین، شیخ الاسلام حدیث کے خوب پرکھنے والے، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر خراسانی نسائی)

مزید فرماتے ہیں: "وكان من بحور العلم مع الفهم والاتقان والبصر ونقد الرجال وحسن التاليف" (٤) (فہم واتقان، گہری نظر، رواۃ کو پرکھنے اور حسن تالیف کے ساتھ ساتھ وہ علم کے سمندر تھے)

حاکم نیشاپوری حدیث میں ان کے تفقہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ١٤-١٣٣ (۲) سیر أعلام النبلاء: ١٤-١٣٣
(۳) سیر أعلام النبلاء: ١٤-١٢٥ (٤) سیر أعلام النبلاء: ١٤-١٢٧

"کلام النسائی علی فقه الحدیث کثیر ومن نظر فی سننه تحیّر فی کلامه" (۱) (فقہ حدیث میں امام نسائی کا کلام بہت ملتا ہے اور جو ان کی سنن کو دیکھتا ہے وہ حیرت میں پڑ جاتا ہے)

مزید فرماتے ہیں: "النسائی أفقه مشائخ عصره وأعرفهم بالصحیح والسقیم من الآثار وأعرفهم بالرجال" (۲) (امام نسائی مشائخ عصر میں سب سے بڑھ کر فقیہ، حدیثوں میں صحیح وضعیف کے سب سے بڑے عالم اور رجال کے سب سے بڑے ماہر تھے)

حافظ ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں: "قدمه قوم من الحذاق فی معرفة ذلك علی مسلم بن الحجّاج وقدمه الدارقطنی وغیره فی ذلك علی امام الأئمةِ ابی بکر بن خُزَیْمَة صاحب الصحیح" (۳) (فن رجال میں ماہرین فن کی ایک جماعت نے ان کو امام مسلم پر بھی فوقیت دی ہے، اور امام دارقطنی اور ان کے علاوہ اوروں نے اس سلسلہ میں ان کو امام الائمۃ ابوبکر بن خزیمہ سے فائق بتایا ہے جو خود صحیح کے مصنف ہیں)

امام سیوطی فرماتے ہیں: "الحافظ الامام شیخ الاسلام أحد الأئمة المبرزین والحفاظ المتقنین والأعلام المشهورین" (٤) (حافظ حدیث، امام، شیخ الاسلام ممتاز ترین ائمہ، ماہر ترین حفاظ حدیث، اور مشہور اساطین امت میں ایک تھے)

علمی احتیاط

احتیاط امام صاحب کے مزاج میں داخل تھی اس کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ حارث بن مسکین کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت حارث ان کے لباس کو دیکھ کر ان کو سرکاری آدمی سمجھے، اس وقت ان کے کچھ مسائل ایسے چل رہے تھے جن میں وہ

(۱) سیر أعلام النبلاء: ١٤ – ١٣٠ (۲) شذرات الذهب: ۲ – ٤٢٢
(۳) هدی الساری مقدمة فتح الباری، ص: ۸ (٤) شذرات الذهب: ۲ – ٤٢٢

ضروری سمجھتے تھے کہ بادشاہ تک وہ باتیں نہ پہنچیں، وہ ڈرے کہ کہیں یہ بادشاہ کے جاسوس بنا کر نہ بھیجے گئے ہوں، اس لیے انہوں نے امام نسائی کو اپنے پاس آنے سے روک دیا، امام نسائی علم کے شائق تھے انہوں نے یہ کیا کہ وہ دروازہ کے باہر ہی بیٹھ جاتے اور روایتیں سنتے لیکن بعد میں جب انہوں نے حارث بن مسکین کی روایتیں نقل کیں تو اس درجہ احتیاط کی کہ حدثنا یا اخبرنا کے الفاظ استعمال نہیں کیے بلکہ وہ ہمیشہ یہ کہتے "قال الحارث بن مسکین قراءۃ علیه وأنا أسمع" (۱) (حارث بن مسکین نے یہ حدیث بیان کی اس طور پر کہ ان کے سامنے روایت پڑھی جا رہی تھی اور میں سن رہا تھا)

زہد وتقویٰ

اسی بلند علمی مقام کے ساتھ وہ تقویٰ اور زہد وعبادت میں بھی اپنے زمانہ میں ممتاز تھے، امام ابن اثیر رحمہ اللہ جامع الأصول کے آغاز میں تحریر فرماتے ہیں:
"کان ورعا متحریاً" (۲) (وہ بڑے متقی اور محتاط تھے)

حافظ محمد بن المظفر کہتے ہیں: "سمعت مشائخنا بمصر يصفون اجتهاد النسائي في العبادة بالليل والنهار وانه خرج إلى الفداء مع أمير مصر فوصف من شهامة واقامة السنن المأثورة في فداء المسلمين واحترازه عن مجالس السلطان الذي خرج معه" (۳) (میں نے مصر میں اپنے اساتذہ سے سنا وہ امام نسائی کی رات دن عبادت میں سخت محنت کا تذکرہ کیا کرتے تھے، وہ امیر مصر کے ساتھ جہاد کے لیے تشریف لے گئے تو لوگ ان کی شجاعت وبہادری، سنتوں کے احیاء کے لیے کوششوں اور بادشاہ کی مجلسوں سے احتیاط کے معترف ہو گئے)

مؤرخ زماں ابن خلکان لکھتے ہیں: "کان یصوم یوماً ویفطر یوماً" (۴) (وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے)

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۴-۱۳۰ (۲) جامع الأصول: ۱-۱۱۶ طبع لبنان
(۳) سیر أعلام النبلاء: ۱۴-۱۳۱-۱۳۲ (٤) وفیات الأعیان: ۱-۷۸

آزمائش اور وفات

مصر میں امام صاحب کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اس کے نتیجہ میں وہاں ان کے حاسدین کی ایک جماعت پیدا ہوگئی، لگتا یہ ہے کہ امام صاحب اس سے دل برداشتہ ہو کر شام تشریف لے آئے، لیکن اکثر مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ وہ حج کی نیت سے مصر سے نکلے شام پہونچے تو یہاں ان کو بڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا ان کو معلوم ہوا کہ یہاں لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے ہیں، خود ان کو حضرات اہل بیت سے بڑی محبت تھی انہوں نے جامع دمشق کے ممبر پر چڑھ کر حضرت علی کے فضائل میں احادیث سنانی شروع کیں، لوگوں نے سوال کیا کہ حضرت معاویہ کے فضائل میں بھی آپ نے کوئی کتاب لکھی ہے فرمایا کہ سوائے "لااشبع اللہ بطنہ" کے اور کوئی روایت مجھ کو نہیں پہنچی، بس لوگوں نے ان کو مارنا شروع کیا، یہاں تک کہ مارتے مارتے نیم جاں کر دیا، امام صاحب نے اپنے تعلق والوں سے کہا کہ مجھے مکہ مکرمہ لے چلو تاکہ میرا انتقال مکہ مکرمہ میں ہو، لوگ اسی حال میں ان کو مکہ مکرمہ لے گئے اور وہیں دوشنبہ کے دن ۱۳ رصفر سن ۳۰۳ھ کو ان کی وفات ہوئی اور صفا و مروہ کے درمیان تدفین عمل میں آئی، انتقال کے وقت عمر اٹھاسی سال کی تھی۔

مذکورہ بالا واقعہ کی بنا پر بعض حضرات نے ان پر تشیع کا الزام لگایا ہے، لیکن یہ بات اس لیے غلط ہے کہ انہوں نے مستقل فضائل صحابہ پر بھی کتاب لکھی، اور ان کی کتابوں سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ باقاعدہ تفضیل شیخین کے قائل تھے، البتہ حضرات اہل بیت کی محبت میں وہ سرشار تھے یہی وجہ ہے جب شام تشریف لے گئے اور وہاں انہوں نے حضرت علی اور اہل بیت کی تنقیص دیکھی تو برداشت نہ کر سکے اور کھل کر فضائل علی بیان کرنے شروع کیے۔

امام نسائی کے ایک شاگرد محمد بن موسیٰ مامونی کہتے ہیں کہ لوگ ان پر تنقید کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی کے فضائل پر کتاب لکھی اور حضرات شیخین کے فضائل پر

نہیں لکھی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام نسائی سے یہ بات ذکر کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں دمشق آیا تو میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ حضرت علی کے بارے میں بدگمان ہیں، اس لیے میں نے "کتاب الخصائص" لکھی کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔(۱)

حلیہ اور ازواج واولاد

امام صاحب بڑے بارعب بزرگ تھے اس کے ساتھ ساتھ بڑی کشش رکھتے تھے، دل ان کی طرف کھنچتا تھا، بڑھاپے میں بھی لگتا تھا کہ خون چھلک پڑے گا، کھانے کا بھی خاص اہتمام فرماتے تھے۔

امام صاحب نے چار شادیاں کیں، بیویوں میں مساوات کا خاص اہتمام فرماتے، البتہ اولاد میں صرف ایک صاحبزادہ عبدالکریم کا تذکرہ ملتا ہے، جنہوں نے خود امام صاحب سے کسب فیض کیا اور دوسرے محدثین سے بھی حدیثیں سنیں، بڑے علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے ان کے علاوہ اور کسی فرزند کا تذکرہ امام صاحب کے تذکرہ میں نہیں ملتا البتہ ابوعبدالرحمٰن کی کنیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید عبدالرحمٰن نام کے بھی کوئی فرزند رہے ہوں گے، لیکن شاید کم عمری ہی میں فوت ہو گئے اس لیے ان کے حالات سیر وتاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتے۔

تصنیفات

امام صاحب نے حدیث کے مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کیں جن میں اہم کتابیں درج ذیل ہیں: "السنن الکبری، السنن الصغری، خصائص علی، مسند مالك، عمل الیوم واللیلة، کتاب الضعفاء والمتروکین" وغیرہ، لیکن ان میں سب سے زیادہ جس کتاب کو شہرت ملی اور جس کی وجہ سے امام صاحب کا نام زندہ جاوید ہوا وہ ان کی کتاب "المجتبیٰ" ہے جو "السنن الکبریٰ" کی تلخیص ہے۔

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۴-۱۲۹

المجتبیٰ

امام صاحب نے جب "السنن الکبری" تصنیف فرمائی تو اس کو امیر رملہ کے پاس لے گئے، امیر نے پوچھا کہ کیا اس کی سب روایتیں صحیح ہیں تو انہوں نے فرمایا: نہیں، اس پر امیر نے کہا کہ ہمارے لیے آپ صحیح روایات الگ کردیجیے تو امام صاحب نے اس کی صحیح روایتیں الگ کردیں اور المجتبی اس کا نام رکھا، اسی کو المجتنی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ تلخیص کا کام خود امام صاحب نے نہیں کیا، بلکہ ان کے شاگرد ابن السنی نے تلخیص کا یہ کام کیا، امام ذہبی کی رائے بھی یہی ہے، لیکن امام ابن اثیرؒ نے اس کو امام صاحب ہی کی تلخیص قرار دیا ہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے یہ کام اپنے شاگرد ابن السنی کے سپرد کیا اور انہوں نے امام صاحب کی نگرانی اور مشورے سے یہ کام مکمل کر کے امام صاحب کی خدمت میں پیش کیا اس طرح کام تو یہ امام نسائی ہی کا ہے البتہ ابن السنی کے تعاون سے تکمیل کو پہنچا۔

سنن کبریٰ اور اس کی تلخیص المجتبی کے بارے میں خود امام صاحب کا بیان ملاحظہ ہو جو ان کے شاگرد ابن الاحمر نے نقل کیا ہے: "کتاب السنن الکبری کله صحیح وبعضه معلول الا انه بینه والمنتخب المسمی بالمجتبی صحیح کله" (۱) (پوری کتاب السنن کا اکثر حصہ صحیح ہے اور بعض حدیثیں معلول ہیں تو ان کی علت بیان کردی

(۱) زہر الربی، ص: ۳ مطبع ہند

ہےاور اس کا انتخاب جو المجتبیٰ کے نام سے موسوم ہے وہ تمام تر صحیح ہے)

مولانا عبدالرشید نعمانی لکھتے ہیں:

"امام نسائی نے بھی اپنی سنن میں امام بخاری و مسلم کی طرح صرف صحیح الاسناد روایات ہی کو لیا ہے، ان کی تصنیف بخاری و مسلم دونوں طریقوں کی جامع سمجھی جاتی ہے اور علل حدیث کا بیان اس پر مستزاد ہے، اس کے ساتھ حسن ترتیب اور جودت تالیف میں بھی ممتاز ہے"(۱)

صحاح ستہ میں صحیحین کے بعد سنن نسائی کو صحت کے اعتبار سے جو فوقیت حاصل ہے، وہ اخذ روایت میں ان کی سخت شرائط ہی کی وجہ سے ہے، بعض جگہ ان کی شرائط بخاری و مسلم کی شرائط سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

حافظ ابوالفضل مقدسی شــــروط الأئــمة الستة میں لکھتے ہیں کہ میں نے امام ابوالقاسم سعد بن علی زنجانی سے مکہ معظمہ میں ایک راوی کے بارے میں دریافت کیا: انہوں نے اس کی توثیق کی، میں نے عرض کیا کہ امام نسائی نے اس کی تضعیف کی ہے اس پر امام موصوف نے فرمایا: "یا بنی! إن لأبی عبد الرحمن فی الرجال شرطاً أشــد مــن شــرط البخاری ومسلم" (۲) (بیٹا! رجال کے بارے میں ابوعبدالرحمٰن (نسائی) کی شرط بخاری و مسلم کی شرط سے بھی زیادہ سخت ہے)

علماء کا خراج تحسین

امام صاحب کی ان سخت شرائط کی وجہ سے علماء نے اس کتاب کے بارے میں بلند کلمات فرمائے ہیں، امام ابوالحسن معافری فرماتے ہیں: "اذا نظرت الی ما یخرجه أهل الحدیث فما خرجه النسائی أقرب الی الصحة مما خرجه غیره" (۳) (جب تم

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۲۱۷ (۲) شروط الأئمة الستة، ص: ۱۸

(۳) زهر الربی علی المجتبیٰ، ص: ۳ طبع هند

محدثین کی روایت کردہ حدیثوں پر نظر ڈالو گے تو جس حدیث کی امام نسائی نے تخریج کی ہوگی وہ دوسروں کی روایت کردہ حدیث کی بنسبت صحت کے زیادہ قریب ہوگی)

اور اسی لیے مغرب کے بعض محدثین صحیح بخاری پر اس کی ترجیح کے قائل ہیں، حافظ شمس الدین سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں: "صرح بعض المغاربة بتفضیل کتاب النسائی علی صحیح البخاری" (۱) (بعض مغاربہ نے تصریح کی ہے کہ امام نسائی کی کتاب کو صحیح بخاری پر فضیلت حاصل ہے)

بلکہ محدث ابن الاحمر نے تو اپنے بعض شیوخ سے یہاں تک نقل کر دیا ہے کہ: "ان اشرف المصنفات کلها وما وضع فی الاسلام مثله" (۲) (یہ اس فن کی تمام تصنیفات سے بڑھ چڑھ کر ہے اور اسلام میں اس کے مثل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی)

ملا علی قاری اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "شذ بعض المغاربة فی فضله علی کتاب البخاری ولعله لبعض الحیثیات الخارجة من کمال الصحة واللہ اعلم" (۳) (بعض مغربی علماء نے نسائی کو بخاری پر ترجیح دے کر شذوذ کا ارتکاب کیا ہے، ہو سکتا ہے یہ بعض دوسری حیثیتوں سے ہو جن کا تعلق کمال صحت سے نہیں ہے)

امام نسائی کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے شیخین کے طریقوں کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، مزید اس میں علل حدیث کا بیان بھی ملتا ہے، حسن ترتیب میں بھی اس کو امتیاز حاصل ہے، حافظ ابو عبد اللہ ابن رشید فرماتے ہیں: "انه ابدع الکتب المصنفة فی السنن ترصیفاً واحسنها ترتیباً وهو جامع بین طریقی البخاری ومسلم مع حظ کثیر فی بیان العلل" (٤) (علم سنن میں جتنی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان سب میں یہ کتاب تصنیف کے لحاظ سے انوکھی اور ترتیب کے اعتبار سے بہترین ہے اور یہ بخاری و مسلم دونوں کے طریقوں کی جامع ہے، نیز علل حدیث کے بھی ایک خاصے حصہ کا بیان اس میں آگیا ہے)

---

(۱) فتح المغیث: ۱/۹۸ (۲) فتح المغیث: ۱-۹۹
(۳) مرقاۃ المفاتیح: ۱-۲۳ (٤) زہر الربی، ص:۳

سنن نسائی کی ایک بڑی خصوصیت اس کے تراجم ابواب میں ہے اس سلسلہ میں امام نسائی نے اپنے شیخ امام بخاری کا تتبع کیا ہے، ان میں امام صاحب کی فقاہت، ذہانت، اور دقت نظر صاف معلوم ہوتی ہے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ''بخاری کے تراجم نہایت اہم ہیں، جن کو سمجھنے کے لیے بڑی دقت نظر اور فقاہت کی ضرورت ہے اور اس کے بعد ابوعبدالرحمٰن نسائی کے تراجم ابواب ہیں، مگر بہت سی جگہوں پر دونوں کتابوں کے تراجم حرفاً حرفاً موافق ہیں ایسی صورت میں توارد پر محمول کرنا مشکل ہے، میرا خیال یہ ہے کہ مصنف نے اس کو اپنے شیخ امام بخاری سے لیا ہے اور یہ احتمال قوی ہے جب کہ امام بخاری ان کے شیوخ میں سے ہیں''(۱)

شروح وتعلیقات

صحاح ستہ میں بھی بلند مقام رکھنے کے باوجود سنن نسائی کی شروح وتعلیقات کم سے کم نظر آتی ہیں، اس کی بڑی وجہ درس کے حلقوں میں اس کا عام نہ ہونا ہے، صحیحین کے علاوہ درس کے حلقوں میں سب سے زیادہ سنن ترمذی پھر سنن ابی داؤد کے ساتھ اعتنا کیا گیا، جس کی اپنی وجوہات ہیں، یہی وجہ ہے کہ سنن نسائی کے صحت میں فائق ہونے کے باوجود بہت کم اس کی شروحات وتعلیقات ملتی ہیں۔

ان میں سب سے مشہور علامہ سیوطی کا حاشیہ ہے جو زھر الربی کے نام سے طبع ہو چکا ہے، اس کے علاوہ علامہ عبدالہادی سندھی کا حاشیہ اس سے زیادہ مفصل ہے یہ بھی چھپ چکا ہے، اس کے علاوہ اس کی مستقل کسی شرح کا تذکرہ نہیں ملتا، اخیر میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے بھی حضرت گنگوہی مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور مولانا یحییٰ صاحبؒ کے افادات کو جمع فرمایا تھا جو مولانا عاقل صاحب مظاہری کی توجہ سے سامنے آچکا ہے۔

(۱) معارف السنن: ۱-۲۳

امام ابن ماجہؒ

نام ونسب

حدیث کی چھ مشہور ترین کتابوں میں سے آخری کتاب سنن ابن ماجہ کے مصنف اور اپنے زمانہ کے جلیل القدر محدث وامام ہیں، محمد نام ابوعبداللہ کنیت ہے، دنیا ''ابن ماجہ'' کے نام سے جانتی ہے، بعض مؤرخین نے ''ماجہ'' والدہ کا نام بتایا ہے، اور بعضوں نے اس کو دادا کا لقب قرار دیا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت امام کے والد ''یزید'' کا لقب ہے، علامہ ابن کثیر نے تاریخ کی مشہور کتاب ''البدایہ والنہایہ'' میں اس کی صراحت کی ہے(۱) سب سے بڑھ کر یہ کہ خود امام ابن ماجہ کے مشہور ترین شاگرد حافظ ابوالحسن بن القطان کا بیان موجود ہے، جس میں وہ نہایت جزم کے ساتھ تصریح کرتے ہیں کہ ''ماجہ'' آپ کے والد کا لقب تھا، دادا کا نہیں۔(۲)

ولادت

امام موصوف کے حالات عام طور پر پردہ خفا میں ہیں، ان کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کا بھی شاید علم نہ ہوتا اگر خود امام ابن ماجہ کی تصنیف تاریخ ابن ماجہ کے اخیر میں امام صاحب کے شاگرد جعفر بن ادریس کی تحریر نہ ہوتی، اتفاق سے یہ کتاب حافظ

(۱) البدایہ والنہایہ: ۱۱/۵۲ (۲) ابن ماجہ اور علم حدیث، از مولانا محمد عبدالرشید نعمانی ص: ۲۰

ابوالفضل بن طاہر مقدسی کی نظر سے گذری اورانہوں نے وہ تحریر اپنی کتاب "شروط الأئمة الستة" میں نقل کردی، اگر حافظ مقدسی اس تحریر کو نقل نہ کرتے تو بھی شاید ان تاریخوں کا علم نہ ہوتا، اس لیے کہ آج امام ابن ماجہ کی تاریخ ناپید ہے، اس تحریر میں یہ موجود ہے کہ میں نے خود ان کو فرماتے سنا کہ میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوا۔(۱)

''ابن ماجہ اور علم حدیث'' کے مصنف نے اس تاریخ کے اعتبار سے صحاح ستہ کے بقیہ مصنفین سے امام صاحب کی معاصرت کا حساب لگایا ہے، جو حسب ذیل ہے:

''امام بخاری نے وفات پائی، تو اس وقت امام ابن ماجہ کی عمر ۴۷ سال تھی۔

امام مسلم نے وفات پائی تو اس وقت امام ابن ماجہ کی عمر ۵۲ سال تھی۔

امام ابوداؤد کی ولادت آپ سے سات سال پہلے ہوئی اور دوسال بعد ان کی وفات ہوئی۔

امام ترمذی کی وفات آپ سے چھ سال بعد ہوئی۔ امام نسائی آپ سے چھ سال چھوٹے ہیں، اور تیس سال بعد ان کی وفات ہوئی''۔(۲)

تحصیل علم

قزوین جو امام صاحب کا مولد ومسکن تھا، جب انہوں نے شعور کی آنکھیں کھولیں تو وہاں علم کا بازار گرم تھا، بڑے بڑے علماء درس حدیث میں مشغول تھے، ان میں علی بن محمد طنافسی، ابوحجر بجلی، ابوسہیل قزوینی، ہارون موسیٰ تمیمی، ابوبکر قزوینی وہ بزرگ ہیں جن سے امام صاحب نے خود اخذ حدیث کی صراحت کی ہے، ۲۳۰ھ کے بعد جب کہ امام صاحب کی عمر بائیس سال ہو چکی تھی انہوں نے حصول علم کے لیے وطن کو خیر آباد کہا، اور ان مشہور شہروں کا رخ کیا، جہاں جابجا درس حدیث کے حلقے لگے ہوتے تھے اور اکناف عالم سے لوگ جوق در جوق حصول علم کے لیے ان شہروں کا رخ کر رہے تھے۔

مولانا عبدالرشید نعمانیؒ اس عہد کی ان بلیغ الفاظ میں تصویر کشی فرماتے ہیں:

(۱) شروط الأئمة الستة، مقدسی (۲) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص:۹

"یہ وہ زمانہ ہے کہ محدثین اطراف عالم میں پھیل چکے تھے، اور جا بجا اسناد و روایت کے دفتر کھلے ہوئے تھے، تمام بلاد اسلامیہ میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں درسگاہیں قائم تھیں، اور بڑے زور و شور سے حدیث پاک کا درس جاری تھا، اس زمانہ میں عامہ مسلمین میں علم حدیث کا شوق اور رواج اس درجہ تھا کہ ایک ایک محدث کے حلقہ درس میں دس دس ہزار طلبہ کا شریک ہو جانا معمولی بات تھی"۔(۱)

امام صاحب نے خراسان، عراق، حجاز، مصر اور شام کے سفر کیے، ان کے مشہور شہروں میں مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، کوفہ، بصرہ، حمص، دمشق، بلخ، رے، سمنان، عسقلان، مرو، نیشاپور، ہمدان اور واسط خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان کے مشہور شیوخ مندرجہ ذیل ہیں:

حافظ ابومصعب زہری، امام ابوبکر بن ابی شیبہ (صاحب مصنف)، حافظ ابوکریب، حافظ ہناد، حافظ کبیر بندار، حافظ دورقی، امام ابوثور، حافظ ابواسحاق ہروی، امام مرادی، حافظ یونس بن عبد الاعلی، امام ابوزرعہ رازی، امام ابوحاتم رازی، امام ابوجعفر داری، امام ذہلی، حافظ محمود بن غیلان مروزی۔

امام موصوف نے کتاب السنن اور کتاب التفسیر میں جن مشائخ سے روایات لی ہیں ان کی تعداد تین سو سے زیادہ ہے۔

وفات

تاریخ ولادت کے سلسلہ میں امام صاحب کے شاگرد جعفر بن ادریس کی عبارت کا تذکرہ ہو چکا ہے، جو حافظ طاہر مقدسی نے شروط الأئمة الستة میں نقل کر دی ہے، حافظ صاحب موصوف لکھتے ہیں:

"میں نے قزوین میں امام ابن ماجہ کی تاریخ کا نسخہ دیکھا تھا، یہ

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص:۲۰

عہد صحابہ سے لے کر ان کے زمانہ تک کے رجال اور امصار کے حالات پر مشتمل ہے، اس تاریخ کے آخر میں امام ممدوح کے شاگرد جعفر بن ادریس کے قلم سے حسب ذیل تحریر ثبت تھی۔

ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ نے دوشنبہ کے دن انتقال کیا، اور سہ شنبہ ۲۲ر رمضان المبارک ۲۷۳ھ مطابق ۸۸۶ء کو دفن کیے گئے، اور میں نے خود ان سے سنا فرماتے تھے کہ میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوا، وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۴ر سال کی تھی، آپ کے بھائی ابوبکر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، اور آپ کے بھائیوں ابوبکر اور ابوعبد اللہ اور صاحبزادہ عبداللہ نے آپ کو قبر میں اتارا، اور دفن کیا"۔(۱)

ائمہ کا خراج تحسین

امام صاحب کے علمی مقام اور جلالت شان کا ہر زمانہ میں علماء نے اعتراف کیا ہے، اور بلند الفاظ میں امام صاحب کا تذکرہ کیا ہے، امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"سمع أکثر وصنف السنن والتاریخ والتفسیر وکان عارفا بھذا الشأن"(۲) (بکثرت روایات سنیں، سنن، تاریخ، تفسیر کی تصنیف فرمائی اور وہ اس کے رمز شناس تھے)

فن رجال کے امام علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "الحافظ الکبیر المفسر... محدث تلک الدیار" (۳) (بڑے حافظ حدیث، مفسر اور ان دیار کے محدث)

علامہ رافعی تاریخ قزوین میں رقم طراز ہیں:

"ھو امام من أئمة المسلمین کبیر متقن، مقبول بالاتفاق"(٤) (وہ ائمہ مسلمین میں بڑے ماہر فن ہیں، تمام لوگوں میں ان کو مقبولیت حاصل ہے)

---

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص:۲۳۳، بحوالہ شروط الأئمة الستة (۲) ابن ماجہ اور علم حدیث: ۱۴۳، بحوالہ المنتظم فی تاریخ الملوک والأمم (۳) تذکرة الحفاظ: ۲/۱۵۵

(٤) التدوین فی أخبار قزوین فی ترجمة ابن ماجة، ص: ٤٩

مؤرخ کبیر امام ابن خلکان "وفیات الأعیان" میں لکھتے ہیں: "الحافظ المشهور مصنف کتاب السنن فی الحدیث کان اماما فی الحدیث عارفا بعلومه وجمیع ما یتعلق به" (۱) (مشہور حافظ حدیث کتاب السنن کے مصنف، حدیث کے امام تھے، اس کے علوم کے رمز شناس اور اس سے متعلق فنون کے ماہر تھے)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام اور حافظ حدیث کے الفاظ سے یاد کیا ہے، ان کے علاوہ مؤرخین اور فن رجال کے ماہروں نے بلند الفاظ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

تصانیف

امام صاحب کی تین تصنیفات کا تذکرہ کتابوں میں ملتا ہے، پہلی کتاب "التفسیر" ہے، مولانا نعمانی اس کے متعلق لکھتے ہیں: "یہ ایک ضخیم تالیف ہے، اس میں امام ابن ماجہ نے قرآن پاک کی تفسیر کے سلسلہ میں جس قدر احادیث اور صحابہ و تابعین کے اقوال مل سکے ہیں ان کو بالاسناد روایت کیا ہے"۔ (۲) دوسری کتاب "التاریخ" ہے، یہ صحابہ سے لے کر مصنف کے عہد تک کی تاریخ ہے جس میں بلاد اسلامیہ اور راویان حدیث کی تاریخ ہے، افسوس کی بات ہے کہ یہ دونوں کتابیں آج ناپید ہیں، ہزاروں لاکھوں کتابوں کی طرح یہ کتابیں بھی غیروں کے دستبرد سے نہ بچ سکیں۔

امام صاحب کی تیسری تصنیف "السنن" وہ کتاب ہے جس سے امام صاحب کو دنیا میں شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، صحاح ستہ میں یہ چھٹی کتاب ہے، جو دنیا کے خطہ خطہ میں پڑھی اور پڑھائی جارہی ہے، یہی وہ کتاب ہے کہ جب اس کو امام ابوزرعہ رازی کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا تو انہوں نے فرمایا تھا "اظن ان وقع هذا فی أیدی الناس تعطلت هذه الجوامع أو أکثرها" (۳) (میرا خیال ہے کہ اگر یہ کتاب لوگوں تک پہنچ گئی تو حدیث کے یہ مجموعے یا ان میں اکثر معطل ہو کر رہ جائیں گے۔

(۱) وفیات الأعیان: ۴/ ۲۷۹ (۲) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۱۲۵

(۳) تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۱۵۵

سنن ابن ماجہ

اس کتاب کی دو بنیادی خصوصیتیں ہیں، جن کی بناء پر اس کو صحاح ستہ میں شامل کیا گیا ہے، ورنہ دسیوں کتابیں ایسی موجود تھیں جو صحت حدیث کے اعتبار سے اس کتاب سے بدرجہا فائق تھیں، ان میں پہلی خصوصیت اس کا حسن ترتیب ہے، جس خوبی کے ساتھ احادیث کو بغیر تکرار کے اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے اور ابواب کی جو ترتیب قائم کی گئی ہے وہ دوسری کتاب میں ملنی مشکل ہے، اسی خوبی کو دیکھ کر مصنف کے استاذ امام ابوزرعہ رازی نے فرمایا تھا کہ "اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو فن حدیث کی اکثر جوامع اور مصنفات بیکار و معطل ہو کر رہ جائیں گی"۔

حافظ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں: "وھو کتاب مفید قوی التبویب فی الفقه"(۱) (یہ مفید کتاب ہے اور فقہ کے اعتبار سے اس کی تبویب نہایت عمدہ ہے)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں: "وکتابه فی السنن جامع جید"(۲) (ان کی کتاب سنن میں جامع اور عمدہ ہے)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، کتاب کی مذکورہ بالا خصوصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے "بستان المحدثین" میں تحریر فرماتے ہیں: "وفی الواقع از حسن ترتیب وسرد احادیث وتکرار واختصار انچہ ایں کتاب دارد ہیچ یک از کتب ندارد"(۳) (اور فی

(۱) بستان المحدثین: ۱۱۲ (۲) تہذیب التہذیب: ۹/۴۶۸

(۳) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۲۳۱، بحوالہ بستان المحدثین، ص: ۱۱۲

الواقع ترتیب کی خوبی اور بغیر کسی تکرار کے احادیث کا لے آنا اور اختصار جو یہ کتاب رکھتی ہے کوئی کتاب نہیں رکھتی)

کتاب کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بکثرت وہ روایات موجود ہیں جن سے صحاح ستہ کی دوسری کتابیں خالی ہیں، اس کی بناء پر اس کتاب کی احادیث بہت بڑھ جاتی ہیں، اور شاید یہی بنیادی سبب ہے جس کی وجہ سے متعدد ایسی کتابوں کے بجائے جو اس سے صحت میں بدرجہا فائق تھیں اس کتاب کو صحاح ستہ میں شامل کیا گیا ہے، حافظ سخاوی "فتح المغیث" میں لکھتے ہیں: "وقدموه على الموطا لكثرة زوائده على الخمسة بخلاف الموطا" (۱) (اس کو علماء نے مؤطا پر ترجیح اسی لیے دی ہے کہ اس میں پانچوں کتابوں سے بہت سی روایات زیادہ ہیں، بخلاف مؤطا کے)

صحاح ستہ میں ابن ماجہ کی شمولیت

اب اس پر سب متفق ہیں کہ سنن ابن ماجہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب ہے، لیکن تالیف کتاب کے بعد کئی صدیوں تک یہ مسئلہ ائمہ حدیث کے درمیان متفق علیہ نہیں تھا، سب سے پہلے جس شخصیت نے اس کو پانچوں کتابوں کے ساتھ شامل کیا وہ حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی (۵۰۷ھ) ہیں، جنہوں نے "شروط الأئمة الستة" اور "أطراف الكتب الستة" دو مشہور کتابیں تصنیف کیں، اور یہیں سے صحاح ستہ یا کتب ستہ کی اصطلاح پڑی، اس کے بعد بھی عرصہ تک کتب خمسہ کی اصطلاح چلتی رہی لیکن بالآخر اس پر اتفاق ہو گیا، مشہور مؤرخ ابن خلکان لکھتے ہیں: "وكتابه في الحديث أحد الصحاح الستة" (۲) (حدیث میں ان کی کتاب صحاح ستہ کی ایک کتاب ہے)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "وابو عبد الله محمد بن يزيد ابن ماجه القزويني صاحب السنن التي كمل بها الكتب الستة والسنن الأربعة بعد الصحيحين" (اور ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی اسی سنن کے

(۱) فتح المغيث، ص: ۸۷ (۲) وفيات الأعيان: ۲۷۹/۴ (۳) الجواهر المضية

معنف ہیں، جس سے صحاح ستہ نیز صحیحین کے بعد سنن اربعہ کی تکمیل ہوتی ہے)

حافظ عبد القادر قرشی رقمطراز ہیں: ''جب محدث کسی حدیث کے بارے میں صرف رواه الشيخان یا رواه الامامان کہتا ہے تو بخاری و مسلم مراد ہوتے ہیں، اور جب "رواه الأئمة الستة" کہا جاتا ہے تو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی و نسائی اور ابن ماجہ مراد ہوتے ہیں''۔(۳)

صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ کا درجہ

ابن ماجہ اور علم حدیث کے معنف محدث جلیل مولانا محمد عبد الرشید نعمانی تحریر فرماتے ہیں:

> ''یہ واضح رہے کہ دیگر ارباب صحاح ستہ کی طرح امام ابن ماجہ نے بھی اپنی کتاب کی ترتیب و تدوین اور احادیث کے انتخاب میں بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا ہے، متعدد جگہ غریب احادیث کی تفصیل دی ہے، مختلف بلاد کی جو مخصوص روایات ہیں ان کی نشاندہی کی ہے''۔(۱)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

> ''غرض امام ممدوح نے لاکھوں احادیث کے ذخیرہ سے چار ہزار روایات کا انتخاب کر کے ان کو مختلف ابواب کے تحت پوری مناسبت کے ساتھ درج کیا ہے''۔(۲)

انہی خصوصیات کی بناء پر تاریخ قزوین کے معنف کا کہنا ہے "والحفاظ يقرنون كتابه بالصحيحين وسنن أبي داؤد والنسائي ويحتجون بما فيه" (۳) (حفاظ حدیث ابن ماجہ کی کتاب کو صحیحین، سنن ابی داؤد، اور سنن نسائی کے برابر رکھتے ہیں، اور اس کی روایات سے استدلال کرتے ہیں)

---

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۲۴۱

(۲) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۲۴۲ (۳) التدوین فی أخبار قزوین، ص: ۷

اور حافظ ابن کثیر کے خود الفاظ یہ ہیں: "وھی دالة علی علمه وعمله وتبحره واطلاعه واتباعه للسنة فی الاصول والفروع" (۱) (یہ کتاب مصنف کے علم وعمل، تبحر، واقفیت اور اصول وفروع میں ان کے اتباع سنت کو بتاتی ہے)

ان ساری خصوصیات اور جامعیت کے باوجود صحاح ستہ میں اس کا درجہ سب سے کم تر اس لیے ہے کہ اس میں ایک بڑی تعداد ضعیف روایات کی آ گئی ہے۔

(۱) البدایة والنھایة: ۶۱/۱۱

باب سوم

مابہ الامتیاز خصوصیات

حدیث کی کتابوں میں صحاح ستہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت عطا فرمائی، اور یہ ایک ایسی اصطلاح بن گئی جو زبان زد خاص وعام ہے، یہ چھ کتابیں گرچہ حدیث ہی کے مجموعے ہیں لیکن ان کے مصنفین نے ان کتابوں کی تصنیف کے لیے جو اپنے اپنے طور پر ترتیب قائم فرمائی جس میں ان حضرات کے اپنے اپنے مقاصد کارفرما رہے ہیں، حالات وضروریات کے پیش نظر انہوں نے ان کتابوں میں مختلف اسالیب ترتیب اختیار کئے، اسی طرح روایات کے اخذ وقبول اور کتابوں میں ان کے نقل و اندراج میں بھی ان حضرات کی مختلف شرائط رہی ہیں، یہی وجہ ہے کہ موضوع ایک ہونے کے باوجود ہر کتاب کا رنگ الگ ہے، اور اس سے پڑھنے والے کو وہ فوائد حاصل ہوتے ہیں جو دوسری کتاب سے حاصل نہیں ہوتے، اس باب میں خاص طور پر ان کتابوں کے الگ الگ رنگ کو اور مابہ الامتیاز خصوصیات کو پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی، جس سے یہ اندازہ ہوگا کہ روایات کے تکرار کے باوجود اپنی اپنی جگہ ان کتابوں کی افادیت وضرورت کیوں ہے؟

صحت روایت

صحت حدیث کا لفظ آتے ہی یہ بات عام ذہن میں پیدا ہوتی ہے کہ حدیثیں وہ

بھی ہیں جو صحیح نہیں ہیں، یہاں ایک بات ذہن نشین کر لینی چاہیے، اللہ کے رسول ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے یا کر کے دکھایا ہے، اس کا درجہ قرآن مجید کے قریب تر ہے، اور اس کو اسی طرح ماننا ضروری ہے جیسے قرآن مجید کو ماننا، آپ ﷺ کا فرمایا ہوا اور کیا ہوا اسی طرح صحیح اور قطعی ہے جیسے قرآن مجید کے احکام ہیں، البتہ ان باتوں کو نقل کرنے والوں نے جب نقل کیا اور یہ سلسلہ دراز ہوا تو ان نقل کرنے والوں کے اعتبار سے ان روایات میں کمزوری پیدا ہوئی، نقل کرنے والے اگر اعلیٰ درجہ کے ثقہ اور عادل ہیں، ان کی قوت حفظ میں بھی کوئی کمزوری نہیں تو حدیثیں بھی اسی طرح صحیح ہیں جیسے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیان کرتے وقت تھیں، اور اگر ان راویوں میں کمزوری پیدا ہوتی ہے تو اس سے روایتوں میں کمزوری آتی ہے، علوم حدیث کی ساری اصطلاحات اور تفصیلات راویوں کے مختلف حالات کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں۔

صحاح ستہ کے مصنفین نے صحت روایت کا خاص اہتمام کیا ہے، اور حدیث کی کتابوں میں یہی سب سے اہم مرکزی نقطہ ہے کہ وہ کتاب صحت کے معیار پر کیسی اترتی ہے، صحاح ستہ کی اصطلاح بنی ہی اس لیے ہے کہ مجموعی طور پر ان کتابوں میں مقبول روایات نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، اور اگر کہیں کوئی کمزوری ہوتی ہے تو اس کو بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن اس باب میں ان کتابوں میں ما بہ الامتیاز بہت کچھ ہے، جس کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

صحاح ستہ میں سب سے نمایاں مقام صحیح بخاری کا ہے، اس کو "اصح کتب بعد کتاب اللہ" کہا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں صحت روایت کا جو اہتمام کیا ہے اور اس کے لیے سخت سے سخت تر شرطیں لگائی ہیں وہ دوسری کتاب میں نظر نہیں آتیں۔

علم حدیث کے ماہرین نے روایت کرنے والوں کے پانچ درجے رکھے ہیں:

پہلا درجہ ان حضرات کا ہے جو ثقاہت وعدالت کے ساتھ قوی الضبط بھی ہیں،

اور کثیر الملازمۃ بھی، یعنی ایک طرف ان کا حافظہ مضبوط ہے اور وہ سنی ہوئی یا لکھی ہوئی حدیث کو پوری طرح محفوظ رکھنے والے ہیں، اور دوسری طرف اپنے شیخ کے ساتھ انہوں نے طویل وقت گذارا ہے۔

دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو عدالت وثقاہت کے ساتھ قوی الضبط تو ہیں لیکن کثیر الملازمۃ نہیں ہیں، اپنے شیخ کی طویل صحبت ان کو میسر نہ آسکی۔

تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو کثیر الملازمۃ تو ہیں لیکن قوی الضبط نہیں ہیں، ان کے قوت حفظ میں کمزوری ہے۔

چوتھا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو نہ قوی الضبط ہیں اور عدالت وثقاہت سے خالی ہیں۔

صحاح ستہ کے مصنفین میں یہ خصوصیت صرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے کہ وہ اپنی کتاب میں اصالۃً درجہ اول کے لوگوں کی روایات نقل کرتے ہیں، دوسرے درجہ کے لوگوں کی روایات وہ بطور استشہاد کے ضمناً نقل کرتے ہیں، امام بخاریؒ کے بعد امام مسلمؒ کا درجہ ہے وہ اپنی صحیح میں ابتداء کے دو طبقوں کی روایات نقل کرتے ہیں، اور کبھی کبھی بطور استشہاد کے تیسرے طبقہ کی روایات بھی لے آتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی امام بخاری نے اپنی صحیح میں بعض وہ شرطیں لگائی ہیں جو امام مسلم نے نہیں لگائیں، اگر کوئی راوی شیخ سے روایت کرے اور اس میں سننے کی تصریح نہ کرے، اور "عن" کا لفظ استعمال کرے تو امام بخاری کے نزدیک صرف معاصرت کافی نہیں ہے بلکہ دونوں میں ملاقات کا ثبوت بھی ضروری ہے، اس وقت روایت کو متصل قرار دیا جائے گا جب دونوں میں ملاقات ثابت ہو، امام مسلم نے صرف معاصرت کو کافی سمجھا ہے۔

انہی وجوہات کی بناء پر سخت سے سخت ناقدین نے صحیح بخاری کی جن روایات پر نقد کیا ہے وہ کسی بھی حیثیت سے ہو، صحیح مسلم کے مقابلہ میں ان کی تعداد بہت کم ہے، اسی لیے علمائے امت متفق ہیں کہ یہ کتاب حدیث کی کتابوں میں صحیح ترین کتاب ہے۔

تاہم امام مسلم کی صحیح کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کو صرف احادیث صحیحہ کے ذکر کے لیے خالص کر رکھا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے درمیان میں عنوانات بھی قائم نہیں کیے تاکہ صحیح روایات کے علاوہ کوئی بھی چیز اس میں شامل نہ ہو، جب کہ امام بخاریؒ نے تراجم ابواب قائم کیے ہیں اور اس میں وہ روایات کے علاوہ اپنی آراء بھی ذکر کرتے ہیں، جس کی اپنی خصوصیت ہے، اور اس کا ذکر اپنی جگہ پر آئے گا۔

امام نسائی کا مرتبہ اس سلسلہ میں تیسرا ہے، اس لیے کہ وہ ابتداء کے تینوں طبقات کی روایات مستقلاً نقل کرتے ہیں، پھر ان کے بعد امام ابوداؤدؒ کا نام آتا ہے، اس لیے کہ وہ چوتھے طبقہ کی روایات بھی بطور استشہاد نقل کردیتے ہیں، امام ترمذیؒ کی کتاب صحت کے باب میں پانچویں نمبر پر ہے، اس لیے کہ وہ چوتھے طبقہ کی روایات عام طور پر اور پانچویں طبقہ کی روایات بطور استشہاد کے ضمنی طور پر نقل کرتے ہیں، اور صحاح ستہ میں صحت کے باب میں آخری درجہ ابن ماجہ کا ہے، وہ عمومی طور پر پانچوں طبقوں کی روایات اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں، اور بعض روایات ان کی کتاب میں ایسی بھی آگئی ہیں جو موضوعات میں شامل کی گئی ہیں، یہی وجہ ہے کہ بہت سے ائمہ حدیث نے ان کی کتاب کو صحاح میں جگہ نہیں دی، اور دوسری صحیح کتابوں کو چھٹی کتاب کی جگہ رکھا، مگر سنن ابن ماجہ کے حسن ترتیب کے پیش نظر عمومی رجحان اسی کتاب کو صحاح ستہ میں شامل کرنے کا رہا ہے۔

جامعیت

مصنفین صحاح نے اس کا خیال رکھا ہے کہ ان کی یہ کتابیں مختلف اہم موضوعات کی جامع ہوں، اور کوئی اہم باب اس میں چھوٹنے نہ پائے، لیکن اس سلسلہ میں بھی دو کتابوں کو خاص امتیاز حاصل ہے، ایک امام بخاریؒ کی صحیح اور دوسری امام ترمذی کی سنن، ابواب کی جامعیت و کثرت کے لحاظ سے ہی ان دونوں کتابوں کو جامع بھی کہا

جاتا ہے، ان دونوں کتابوں میں عقائد، احکام، زہد ورقاق، آداب، تفسیر، تاریخ، سیر، فتن، مناقب وغیرہ اور پھران کے ذیلی ابواب میں سے ہر موضوع پر حدیثیں جمع کی گئی ہیں، پھران دونوں میں بھی جامعیت کے لحاظ سے امام ترمذی کی سنن بڑھی ہوئی ہے، موضوعات کے احاطہ کے علاوہ ایک طرف امام ترمذی نے ایک موضوع کی روایات ایک ہی جگہ نقل کی ہیں، اوراس سلسلہ میں امام مسلم کا طریقہ اختیار کیا ہے، اس کے علاوہ انہوں نے فقہ میں امام بخاری کا تتبع کیا ہے، وہ مختلف احکام کے دلائل نقل کرتے جاتے ہیں اوراس کے علاوہ مسالک فقہیہ بھی بیان کردیتے ہیں، حدیث پر حکم بھی لگاتے ہیں، روایوں پر کلام کرتے ہیں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ ان ابواب پر خاص توجہ دیتے ہیں جن کی ضرورت معاشرہ اور فرد کی اصلاح میں زیادہ تر ہوتی ہے، خاص طور پر "أبواب الزھد" "أبواب الرقاق" "أبواب البر والصلة" میں جو تفصیل امام ترمذی کے یہاں ملتی ہے وہ صحاح ستہ میں دوسری جگہ مشکل سے ملے گی، جامعیت میں ان دوکتابوں کے بعد امام نسائی کا درجہ ہے، انہوں نے خاص طور پر بخاری ومسلم کے طریقوں کو جمع کیا ہے، اور علل حدیث کا بیان اس پر مستزاد ہے، صحیح مسلم کی اصل جامعیت یہ ہے کہ اس کے مصنف نے ایک موضوع کی روایات ایک جگہ جمع کردی ہیں، اور سنن ابوداؤد میں اس کے مصنف نے "أبواب الأحکام" اس انداز سے جمع کردیئے ہیں جو دوسری جگہ مشکل سے ملیں گے، یہ جامعیت کے لحاظ سے ان کتابوں کی خصوصیات ہیں۔

حسن ترتیب

اس صفت میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح سب پر فائق ہے، انہوں نے ایک موضوع کی روایات ایک جگہ جمع کی ہیں، اوران میں بھی باریک فروق کو واضح کیا ہے، حدیث کا پورا متن ایک ہی جگہ نقل کرتے ہیں، اور روایت بلفظہٖ کا خاص اہتمام کرتے

ہیں، اور مرفوع روایات ہی اصلاً نقل کرتے ہیں۔

امام مسلم کے بعد امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کو اس صفت میں امتیاز حاصل ہے، امام ابن ماجہ کی سنن صحاح ستہ میں اسی وجہ سے شامل کی گئی ہے کہ حسن ترتیب میں وہ دوسری کتابوں پر فائق ہے، اور اس کے حسن ترتیب کو دیکھ کر ہی ان کے استاذ حافظ ابوزرعہ رازی کی زبان سے یہ الفاظ بے ساختہ نکل گئے تھے کہ "اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو فن حدیث کی اکثر جوامع اور مصنفات بیکار ہو کر رہ جائیں گی"۔(۱)

> مولانا عبدالرشید نعمانیؒ اس کے آگے تحریر فرماتے ہیں "حافظ ابوزرعہ کی پیش گوئی حرف بحرف صادق ہوئی، اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ حدیث کی بہت سی کتابیں جو صحت اسناد اور جودت روایات کے اعتبار سے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں وہ قبول عام حاصل نہ کر سکیں جو "سنن ابن ماجہ" کو حاصل ہے۔(۲)

اس قبول عام کی سب سے بڑی وجہ اس کی جودت ترتیب اور اختصار ہے، اس خوبی کا تذکرہ تمام ائمہ نے کیا ہے، اس کی کچھ تفصیل ابن ماجہ کے تذکرہ میں گزر چکی ہے۔

امام نسائی کی سنن بھی حسن ترتیب میں ایک مقام رکھتی ہے، یہاں تک کہ حافظ ابوعبداللہ بن رشید فرماتے ہیں "علم سنن میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں یہ کتاب ان میں تصنیف کے اعتبار سے انوکھی اور ترتیب کے لحاظ سے بہترین ہے"۔(۳)

سنن ابوداؤد، احکام کی روایات کا بہترین گلدستہ ہے، اور امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کو جن مقاصد کے پیش نظر تالیف کیا ہے ان کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی کتاب اس کے ہمسر نہیں۔

---

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث، از مولانا نعمانیؒ، ص: ۲۳۶

(۲) ابن ماجہ اور علم حدیث، از مولانا نعمانیؒ، ص: ۲۳۶

(۳) ابن ماجہ اور علم حدیث: ۲۱۷ بحوالہ فتح المغیث للسخاوی

علو سند

علو سند کہتے ہیں سند کی بلندی کو، سند میں واسطے جتنے کم ہوتے ہیں سند اتنی ہی عالی کہلاتی ہے، محدثین کے نزدیک اس کی بڑی اہمیت ہے، چونکہ روایت میں واسطے جتنے کم ہوں گے اتنا ہی اللہ کے رسول ﷺ سے قرب ہوگا اور واسطوں کے کم ہونے کی بناء پر غلطی کا احتمال بھی کم ہوگا اور کم رواۃ کی چھان بین کرنی پڑے گی، یہ مختلف وجوہات ہیں جن کی وجہ سے علو سند کا ہمیشہ اہتمام رکھا گیا ہے۔

صحاح ستہ کے مصنفین میں یہ شرف بھی سب سے بڑھ کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے، ان کی صحیح میں بائیس روایتیں ایسی ہیں جن میں صرف تین واسطوں سے سند رسول اللہ ﷺ تک پہنچ جاتی ہے، ان کو "ثلاثیات" کہتے ہیں، صحیح بخاری کے بعد سنن ابن ماجہ کا درجہ ہے، اس کتاب میں پانچ ثلاثیات ہیں، ابن ماجہ کے بعد سنن أبی داؤد اور سنن ترمذی میں ایک ایک روایت ایسی ہے جس کی سند میں تین واسطے ہیں۔

امام مسلم اور امام نسائی کو کسی تبع تابعی سے روایت نہ ملی، اس لیے ان دونوں کی سب سے عالی جو روایات ہیں وہ رباعیات کہلاتی ہیں، یعنی ان سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک ان میں چار واسطے ہیں، واسطے اگر پانچ ہوں تو وہ روایات خماسیات اور چھ ہوں تو سداسیات کہلاتی ہیں، صحاح ستہ میں رباعیات کی بھی ایک تعداد ہے لیکن خماسیات اور سداسیات بکثرت ہیں، اور متعدد روایات وہ ہیں جن میں سات آٹھ واسطے یا اس سے بھی زائد واسطے ہیں۔

تعداد روایات

تعداد روایات کے اعتبار سے بھی صحیحین کو سنن اربعہ پر فوقیت حاصل ہے، "موسوعة الكتب الستة" کے اعتبار سے دونوں کتابوں میں روایتوں کی کل تعداد یکساں ہے، صحیح بخاری میں بھی یہ تعداد سات ہزار پانچ سو تریسٹھ (۷۵۶۳) ہے، اور

یہی تعداد صحیح مسلم کی بھی کل روایات کی ہے، البتہ صحیح بخاری میں مکررات کی تعداد بہت ہے، بعض بعض روایات کو امام بخاریؒ نے بائیس بائیس جگہ نقل فرمایا ہے، اور اس سے مختلف استنباطات فرمائے ہیں۔ اس لیے مکررات حذف کرنے کے بعد ان کی روایات کی تعداد چار ہزار سے بھی کم رہ جاتی ہے، جب کہ امام مسلم کے یہاں مکررات کو حذف کرنے کے بعد بھی تعداد چار ہزار سے نیچے نہیں جاتی، صحیحین کے بعد روایات کی سب سے زیادہ تعداد امام نسائی کی سنن میں ہے، پھر امام ابوداؤد کی سنن کا درجہ ہے، پھر امام ابن ماجہ کی سنن کا اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی سنن میں روایات کی تعداد سب سے کم ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں مکررات کی تعداد سو تک بھی نہیں پہنچتی، ذیل میں ان سب کتابوں کا نقشہ روایتوں کی تعداد کے ساتھ درج کیا جارہا ہے۔

کتاب کا نام	روایات کی کل تعداد
صحیح بخاری	۷۵۶۳
صحیح مسلم	۷۵۶۳
سنن نسائی	۵۷۶۱
سنن أبي داؤد	۵۲۷۴
سنن ابن ماجہ	۴۳۴۱
سنن ترمذی	۳۹۵۶

تراجم ابواب

احادیث کے انتخاب اور اس کی ترتیب کے بعد تبویب کا مرحلہ بہت اہم ہے، ائمہ حدیث نے تبویب میں بڑی باریک بینی اور عرق ریزی سے کام لیا ہے، اور اس کو مستقل ایک فن بنادیا ہے، ان میں اصحاب صحاح کے سرخیل امام بخاری رحمہ اللہ کا نام نامی سب سے نمایاں ہے، انہوں نے اپنی صحیح میں تبویب کا ایک نیا ڈھنگ نکالا ہے،

اور وہیں سے تراجم ابواب کی اصطلاح چلی ہے، عام طور پر تبویب موضوعات کی تعیین اور تقسیم کے لیے ہوتی تھی، لیکن امام بخاریؒ نے اس کو صرف تفہیم موضوعات کے لیے ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اس کو بڑی وسعت دی اور اس میں نہ جانے کتنے علوم سمو دیئے، صحت حدیث کے بعد یہ امام بخاری کی سب سے بڑی خصوصیت ہے، ان کے تراجم ابواب ان کے ذہن کی آفاقیت، ہمہ گیری، نکتہ آفرینی اور تفقہ پر دلالت کرتے ہیں، "فقه البخاري في تراجمه" کا جملہ زبان زد خاص وعام ہے، اس کا مطلب صرف اصطلاحی فقہ نہیں بلکہ ان کا تفقہ فی الدین اور رسوخ فی العلم ہے، ان تراجم میں علوم فقہ بھی ہیں، علوم حدیث بھی ہیں، علوم قرآن بھی ہیں، اور علم کلام بھی، یہی وجہ ہے کہ تراجم ابواب بخاری مستقل ایک فن بن گیا ہے، اور اس پر علماء نے ہر دور میں کام کیا ہے، اور ان کی توضیح وتشریح پر بڑی کتابیں تصنیف کی ہیں، یہ شرف سوائے صحیح بخاری کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوسکا۔

یہ بات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مقاصد تصنیف میں بڑی اہمیت رکھتی ہے بلکہ اکثر علماء نے یہ بات لکھی ہے کہ صحت حدیث کے اہتمام کے ساتھ امام صاحبؒ کا سب سے بڑا مقصد یہی تراجم ابواب ہیں، جن کے ذریعہ وہ ایک ایک حدیث سے دسیوں مسائل نکالتے ہیں، اور یہی استنباط واستخراج معانی صحت حدیث کے اہتمام کے بعد ان کا سب سے بڑا امتیاز ہے، اس سلسلہ میں ان کی دقت نظر نے ایسی باریکیاں دکھائی ہیں اور انہوں نے بعض ایسی دقیق باتوں کی طرف اشارے کیے ہیں کہ ان کو حل کرنے میں بڑے بڑے ائمہ کو بعض مرتبہ بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، اور تراجم ابواب بخاری کے فہم کو ذہانت اور وسعت علم کا ایک معیار سمجھا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام کرمانی کے قلم سے یہ الفاظ نکل گئے ہیں:-

"ان هذا قسم عجز الفحول البوازل في الأعصار والعلماء الأفاضل في الأمصار" (یہ وہ قسم ہے کہ زمانہ کے بڑے بڑے مردمیدان اور مختلف علاقوں کے

بڑے بڑے علماء وفضلاء بھی وہاں تک پہنچنے سے قاصر رہے)

لیکن ہمیشہ علماء زمانہ نے تراجم کی باریکیوں کو واضح کیا ہے اور اس پر ہر زمانہ میں مستقل تصانیف تیار کی گئی ہیں۔

صحاح ستہ میں امام بخاری کے بعد امام نسائی نے تراجم میں تقریباً وہی طرز و انداز اختیار کیا ہے جو امام بخاری کا ہے اور وہ اپنے استاد کے راستہ پر چلے ہیں، بعض مقامات پر دونوں کے تراجم میں بڑی یکسانیت ہے اور بعض بعض جگہ تو دونوں کے تراجم حرفاً حرفاً موافق ہیں۔

اس باب میں تیسرا مقام امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جنہوں نے مختلف جگہ تراجم سے مختلف فوائد ظاہر کئے ہیں، اور کہیں کہیں استنباط سے بھی کام لیا ہے۔

امام ابوداؤد کے بعد امام ابن ماجہ کے تراجم کو خصوصیت حاصل ہے، اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا حسن ترتیب ہے، پھر مقام ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں کہیں تراجم ابواب نہیں لکھے، تا کہ حدیث کے ساتھ کوئی دوسری چیز شامل ہی نہ ہو، امام ترمذی رحمہ اللہ کو تراجم ابواب میں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انہوں نے جو تسہیل اس میں اختیار کی ہے وہ کسی نے نہیں کی اور اس خصوصیت میں ان کو اولیت حاصل ہے۔

تلقی بالقبول

کسی کتاب کی مقبولیت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے، اور ہر طرح اس کی خدمت کی جائے، اور اس سے استفادہ کیا جائے، اور استفادہ کو آسان بنانے کی تدابیر اختیار کی جائیں اس باب میں صحاح ستہ کیا روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس کی اس طرح خدمت کی گئی ہو جو خدمت صحیح بخاری کی کی گئی ہے، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بلیغ اسلوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"کتابوں کی دنیا میں انسانی کتابوں میں سے کوئی کتاب ہمارے سامنے ایسی نہیں جس کی علماء اور مصنفین نے شروح وحواشی اور تعلیقات لکھ کر ایسی خدمت کی ہو جو صحیح بخاری کی خدمت کی گئی ہے، شرح وتعلیق ہی ایک ایسا علمی میدان ہے جس سے قدیم زمانہ میں علماء ومصنفین کی توجہ کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ ایک ایسا تھرمامیٹر ہے جس سے کسی بھی علمی اثر سے علماء کا اہتمام معلوم ہوتا ہے جس کتاب کی شروحات وتعلیقات سب سے زیادہ ہوں وہ کتاب سب سے اہم سب سے بلند پایہ اور مشہور ومقبول سمجھی جاتی ہے، اور جس کتاب کی شروح وتعلیقات نہ ہوں اس کا کہیں کوئی چرچا نہیں ہوتا اور وہ پردہ خفا میں رہ جاتی ہے، زمانہ قدیم میں کسی کتاب کی مقبولیت کا اور منصب صدارت پر فائز ہونے کا بھی یہی پیمانہ رہا ہے اور اس پیمانہ کے اعتبار سے یقین کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ صحیح بخاری کو پورے اسلامی کتب خانہ میں جو مقام ملا وہ کسی کو نہ مل سکا، مکانی رقبہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ساری دنیا اس میں شامل ہے اور اگر زمانی رقبہ دیکھا جائے تو اس کی تصنیف کے وقت سے لے کر آج تک کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس کی شروحات وتعلیقات کی وہ تعداد ہو جو تعداد اس کتاب کی شروحات وتعلیقات کی ہے۔(۱)

اس موضوع پر ایک جدید علمی مقالہ تیار کرنے والے عزیز گرامی مولوی محمد اسامہ ندوی نے جو تحقیق پیش کی ہے وہ درج ذیل ہے:

شروحات	۱۹۳
تعلیقات	۱۰۰
حواشی	۱۳۵
تراجم	۷۶

(۱) مقدمہ لامع الدراری، ص: ۹۰

متفرقات	۲۰۳
میزان	۲۰۸

متفرقات میں اس پر جو بھی کام ہوا ہے خواہ اس کے رجال سے متعلق ہو، مستدرکات ہوں، مستخرجات ہوں، اور بھی جو کچھ اس کے متعلق ہو سب شامل ہے۔

شروح وتعلیقات وغیرہ کے علاوہ اس کی مقبولیت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ خود براہ راست امام صاحب سے صحیح بخاری سننے والوں کی تعداد نوے ہزار سے اوپر ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"جو شخص اس کتاب کی عظمت کا قائل نہ ہو وہ مبتدع اور مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے"۔(۱)

صحیح بخاری کے بعد صحاح ستہ میں جس کتاب پر سب سے زیادہ کام ہوا وہ سنن ابی داؤد ہے، اس کی شروحات وتعلیقات وغیرہ چالیس سے اوپر ہیں، صحیح مسلم گرچہ صحت میں صحیح بخاری کے قریب ہے، اور اس کی شہرت ومقبولیت کی دلیل یہ ہے کہ اگر روایت صحیحین میں ہو تو اس کو متفق علیہ کہتے ہیں، اور ان دونوں کی مقبولیت پر امت کا اتفاق ہے، لیکن اس کی شروحات وتعلیقات کی وہ تعداد نہیں جو سنن ابی داؤد کی ہے اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ سنن ابی داؤد میں احکام کی روایات زیادہ ہیں، جن کی ضرورت ہر خاص وعام کو پڑتی ہے، اس لیے اس کتاب کی خدمت زیادہ کی گئی، سنن ترمذی کا مقام شروح وتعلیقات کے اعتبار سے صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد کے بعد ہے، البتہ حلقہائے درس کے اعتبار سے شاید وہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، سہولت پھر جامعیت اور مضامین کی کثرت کی بناء پر ہر دور میں علماء ومدرسین نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اور صحاح ستہ میں اس کو خاص مقام دیا ہے سنن ابن ماجہ کی شروح وتعلیقات بھی بیس سے اوپر پہنچتی ہیں، البتہ سنن نسائی پر کام سب سے کم ہوا ہے، اور اس کی شروح وتعلیقات کی تعداد شاید دس تک بھی نہ پہنچتی ہو۔

(۱)-حجة الله البالغة: ۲۹۷/۱

خلاصہ کلام

صحاح ستہ کے بارے میں مختلف حیثیتوں سے اوپر کلام کیا گیا ہے، ان سب کتابوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت عطا فرمائی، اور امت ہمیشہ ان سے فائدہ اٹھاتی رہی اور انشاء اللہ قیامت تک اٹھاتی رہے گی، ان سب کتابوں کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں جو ان کو نمایاں مقام عطا کرتی ہیں، لیکن چونکہ بنیادی طور پر قبولیت کا معیار صحت حدیث ہے اس لیے ان کی اصل ترتیب وہی ہے جو صحت روایت کے ذیل میں بیان کی جاچکی، البتہ اپنی اپنی ما بہ الامتیاز صفات کی بناء پر ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ ضرورت ہے، امام سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا جو مقولہ مولانا عمیم الاحسان صاحب نے اپنے استاذ کے حوالہ سے نقل کیا ہے وہ اس پر بہترین روشنی ڈالتا ہے وہ فرماتے ہیں:

"من أراد المطالب العلمية مع الصحة فصحيح البخاري و من أراد سرد الروايات مع حسن السياق والصحة فصحيح مسلم ومن أراد كثرة الأحكام فعليه بأبي داؤد ومن أراد الاطلاع على الفنون الحديثية.........الخ"

(جو صحت روایت کے ساتھ علمی نکات تلاش کرنا چاہے وہ صحیح بخاری میں دیکھے، اور جو صحت روایت اور حسن ترتیب کے ساتھ روایات کا تسلسل چاہے وہ صحیح مسلم کا مطالعہ کرے اور جو یکجا روایات احکام دیکھنا چاہے وہ سنن ابو داؤد دیکھے اور جو علوم حدیث سے مطلع ہونا چاہے وہ سنن ترمذی کا مطالعہ کرے اور جو خالص احکام کی روایات کا تسلسل بلند مطالب و نکات کے ساتھ دیکھنا چاہے وہ سنن نسائی کا مطالعہ کرے اور جو وہ روایات دیکھنا چاہے جو دوسری صحاح میں نہ ہوں تو سنن ابن ماجہ دیکھے) (۱)

---

(۱) تاریخ علوم حدیث، مفتی عمیم الاحسان صاحبؒ، ص:۲۰